



مُحَمَّدٌ فَارُوقٌ فَرِزانَة  
اور — انپکٹر جمثید سیرز

---

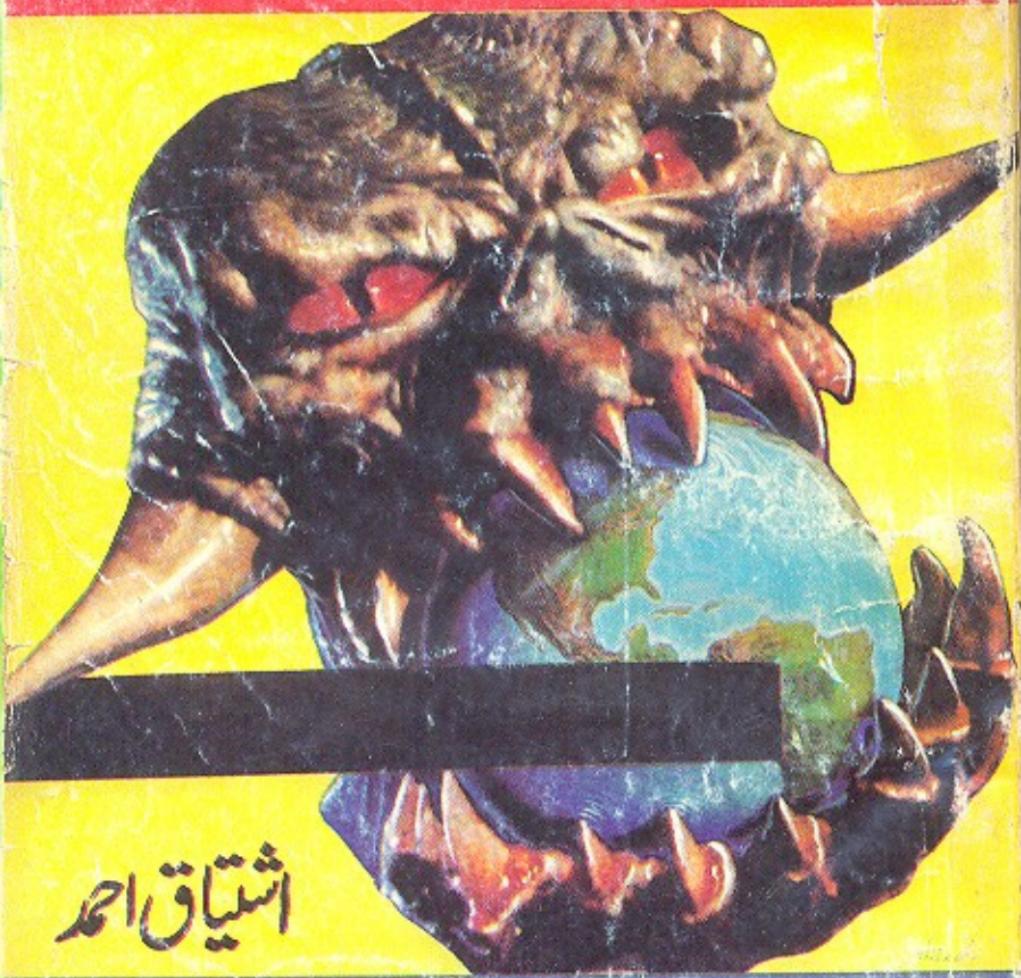
ناول نمبر ۳۸۲

---

# مقتول کوں

اشتاق احمد

# مقتول کون



اشیاق احمد

# کار کے نمبر

"جیرت ہے۔" فاروق بڑھا یا۔

"ہمیں تو یہاں دور دور تک کہیں جیرت نظر نہیں آ رہی۔" فرزانہ نے چاروں طرف دیکھ کر جیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "نظر آنے کی بھی ایک ہی کمی۔ جیرت بھی کہیں نظر آتی ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"غلط کہتے ہو۔ جیرت تو اس وقت فرزانہ کی آنکھوں میں بھی نظر آتی تھی۔" محمود مکرایا۔

"شابت ہو گی، آج تم دونوں کا پروگرام جیرت کے پیچے پڑنے کا ہے۔"

"جیرت کے پیچے نہیں۔ تمہارے پیچے۔" فاروق نے من بنایا۔

"میری بات بعد میں کرنا، پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمھیں جیرت کس بات پر ہوتی ہے؟"

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھیں کہ:

● یہ وقت فراز کا تو نہیں۔

● اپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرتا۔

● کل آپ کا کوئی لشت یا امتحان تو نہیں۔

● اپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے دکھا۔

● اپ کے ذمے گرد والی نے کوئی کام تو نہیں کارکر۔

● اگر اپ باتوں پر یہ سے کافی یا کافی باقاعدہ ہے۔

● قنادلہ المارعہ میں کہ دکھا۔ پہلے نماز اور دوسرا

کام وہ سے فارغ ہو یا۔ یہ قنادلہ پر یہ سے شکریہ!

اشیاق احمد

"تم اُس کار کو دیکھ رہے ہو؟" فاروق نے نیلے رنگ کی ایک ٹیوٹا کار کی طرف اشارہ کیا جو پرانے ماؤں کی تھی۔ "اگر تم کہتے ہو تو دیکھ لیتے ہیں۔ ورنہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اور تمہارا خیال کیا ہے؟" محمود نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اس کار کی نمبر پلیٹ پڑھو۔"

"نمبر پلیٹ۔ اچھا۔ ایں کے ۳۶۳۲۔" محمود نے اس پر لکھے نمبر پڑھ سے۔

"اب کیا خیال ہے؟" فاروق نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں۔" تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" "میں اس نمبر کی ایک اور کار دیکھ چکا ہوں، لیکن اس کا رنگ زرد ہے۔"

"کیا بات کرتے ہو۔ ایک نمبر کی دو کاریں نہیں ہو سکتیں؟"

"یہ تو میں کہ رہا ہوں۔ کہ اگر ایک نمبر کی دو کاریں

نہیں ہو سکتیں تو پھر ایسا کیوں ہے؟" "ایسا نہیں ہے۔ تمحیں ضرور وہم ہوا ہے۔ زرد کار کا نمبر اس نمبر سے بالکل ملتا جلتا ہو گا۔"

"تم اب بھی نہیں سمجھے۔" فاروق مسکرا یا۔ "کیا نہیں سمجھے۔ زیادہ پر اسرار بننے کی کوشش نہ کرو، ورنہ منہ کی کھاؤ گے۔"

"چلو اس میں کیا حرج ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔ "اگر۔ کس میں کیا حرج ہے؟"

"منہ کی کھانے میں۔"

"دھت تیرے کی۔ آگئے اپنی آتی پڑے۔"

"آخر تم یہ بات یقین سے کس طرح کو سکتے ہو۔ یادداشت دھوکا دے سکتی ہے۔" انہیں دھوکا کھا سکتی ہیں۔" "ہاں ایہ باتیں ہو سکتی ہیں، اس کے باوجود میں یہ کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔" میں اس نمبر کی زرد رنگ کی کار دیکھ چکا ہوں۔"

"لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" ہم اس کو کس طرح تلاش کر سکتے ہیں؟"

"یہ بھی مشکل کام نہیں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں ابھی وہ کار تمحیں دکھا سکتا ہوں۔"

15  
”اوہو۔ کیا بد تیزی ہے؟ اس نے اپنے بال سوارتے ہوتے کہا۔

”معاف کیجیے گا۔ ہم یک دم آپ کے سامنے ہ گئے۔ اس لیے ملکر ہو گئی۔ ویسے آپ کے بال خواب نہیں ہوتے۔“ محمود نے شرمدہ ہو کر کہا۔

”یکن اس طرح اچانک سامنے آنے کی آپ کو ضرورت کیا تھا۔ میں گر بھی سکتا تھا اور میرے پکڑے خراب ہو سکتے تھے۔“

”آپ کا نام؟“ محمود نے جیسے اس کی بات سنی، ہی نہیں تھی۔

”کیوں۔ آپ کو میرا نام پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی پوچھنے کا۔“

”بس آ گئی۔ نام بتانے میں کوئی حرج ہے کیا؟“  
”نہیں تو۔ حرج بھلا کیا ہو گا۔ میرا نام جاوید جو گی ہے۔“ وہ بولا۔

”آپ سانپوں کا کاروبار کرتے ہیں؟ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”نہیں تو۔ اس کے لمحے میں حیرت در آئی۔“  
”اے تو پھر۔ یہ نام کے ساتھ جو گی؟“ فرزانہ نے

”لوہو اچھا۔ یہ بات ہے۔“ تب تو ٹھیک ہے۔  
چلو۔“ محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔

”اس پر تو ہو گی جوش سوار۔“ فرزانہ نے منہ بنایا۔  
”تو پھر۔“ تم کیا چاہتی ہو؟“

”پہلے کار دیکھ لیں، پھر جوش سوار کر لیں گے۔“  
فرزانہ مسکاتی۔

”مشورہ نیک ہے۔“  
”یکن اس کار کا کیا کریں۔ پھر اس کو نہ تلاش کرنا پڑتے۔“

”اوہ ہاں! پہلے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔“  
نسیلی کار ایک شاپنگ پلازا کے سامنے کھڑی تھی۔  
وہ انتظار کرتے رہے۔ آخر ایک نوجوان آدمی پلازا سے باہر نکل کر اس کار کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں پر یونک تھی۔ بال سُنہری تھے۔ دُبلا پتلہ اور لمبے قد کا نوجوان تھا۔ دنگ سُرخ سفید تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا جو نہی کار کے قریب آیا۔ تینوں یک دم اس کے سامنے ہ گئے۔ وہ اپنی جھونک میں محمود سے ملکرا گیا۔

محمود مُسکرا یا۔

"دیکھ لیں۔" نوجوان نے کہا۔

"کیا دیکھ لیں؟" فاروق نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"پولیس کی مدد کرنے والے خود بھی ان کے پچکوں میں  
پھنس جاتے ہیں؟"

"آپ نکلنے کریں۔ ہمیں اپنے کاغذات دکھا دیں۔"  
اس نے شناختی کارڈ اور کار کے کاغذات ان کے سامنے  
کر دیے۔ انھوں نے جلدی جلدی پتا اور دوسرے  
ضروری کوائف نوٹ کر لیے۔ اور پھر اس کے راستے سے  
بڑھ گئے۔

"ہم بہت جلد آپ سے پھر ملیں گے۔"

"جی، بہتر! ضرور ملیے گا۔" اس نے کہا۔

پھر وہ کار میں بیٹھا اور ان کے پاس سے نکل کر  
ہٹ گے بڑھ گیا۔

"اب کیا کریں؟"

"وہیں چلتے ہیں۔ جہاں میں نے اس نمبر کی نزوںگ  
کی کار دیکھی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ اپنی کار میں واہ سے رُخت ہوتے اور ایک

سوالیہ انداز میں کہا۔

"جوگی ہمارا خاندانی نام ہے۔ ہر نام کے ساتھ جوگی  
لگاتے ہیں، ہمارے پرداوا جوگی مشہور تھے۔"

"اوہ اچھا۔ اب بات بھی میں آگئی۔ یہ کار آپ  
کی ہے؟"

"ہاں کیوں۔ کیا بات ہے؟ وہ یک دم پریشان ہو گیا۔"

"آپ اپنا شناختی کارڈ دکھائیں گے۔"

"آخر۔ بات کیا ہے؟"

"بات۔ بات صرف یہ ہے کہ شہر میں اس نمبر کی ایک  
اور کار موجود ہے۔ ایک نمبر کی دو کاریں کس طرح ہو  
سکتی ہیں اور کیوں؟ ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہیے ہیں۔"  
کیا مطلب۔ میری کار کے نمبر کی ایک اور کار شہر  
میں موجود ہے۔ وہ جیران رہ گیا۔

"ہاں! باکل موجود ہے۔"

"میں اس بات پر صرف جیران ہو سکتا ہوں۔ آپ  
میرے کاغذات، میرا پتا سب پچھے نوٹ کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ! ہم یہی چاہتے ہیں۔"

"یعنی آپ کیوں۔ یہ کام تو پولیس والوں کا ہے۔"

"یوں بچھ لیں کہ ہم پولیس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

پُرانی سی کوٹھی کے پاس رکے۔ کار سے اترے۔ فاروق نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، لیکن وہاں کوئی زرد کار نظر نہ آئی۔  
وہ کار میں نے یہاں دیکھی تھی۔ اس کوٹھی کے گیراج میں۔ گیراج کا دروازہ نہیں ہے۔  
”لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس کار میں کیا خاص بات تھی کہ تھیس نمبر نوبت کرنے کی ضرورت پیش آگئی تھی؟“  
”ہاں! یہ تم نے کام کا سوال کیا ہے۔“ فاروق نوش ہو گیا۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔“ محمود نے تملک کر کہا۔

”تو میں نے کب کہا ہے۔ کہ یہ ہے تھا دے سوال کا جواب۔“

”بتاؤ بھی۔“ فرازان نے بُرا سامنہ بنایا۔

”میں اس طرف سے گزر رہا تھا۔ یہاں میرا ایک کلاس فیلو رہتا ہے۔ بہت غریب ہے۔ بیمار تھا۔ اس کی بیمار پُرسی کے لیے چلا آیا تھا۔ یعنی اس جگہ اس وقت ایک ننھا سا بچہ گر پڑا اور مجھے کار روکنا پڑی۔ نیچے اُتر کر بچے کو اٹھایا۔ بچہ اس کوٹھی میں

چلا گیا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کار پر نظر پڑی، اس کے نمبر بھی دیکھے اور پھر میں نے ایک کاغذ پر اس کے نمبر نوٹ بھی لیکے تھے۔ لیکن آج پکڑے تبدیل کرتے وقت وہ کاغذ جیب میں رہ گیا۔ اگر اتنی جان نے پکڑے ابھی میں نہ ٹوالتے ہوں گے تو کاغذ کی وہ چٹ مل جائے گی اور میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔“

”وہ بعد کی بات ہے، تم نے ابھی تک اس بات کا جواب نہیں دیا کہ اس کار کے نمبر نوٹ کرنے کی ضرورت کیا پیش آگئی تھی۔“ تم ہر کار کے نمبر تو نوٹ نہیں کرتے پھر تے۔ فرازان نے جھلان کر کہا۔

”ہاں! یہ سوال اہم ہے۔ لیکن میں ابھی اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ پہلے تو، یہیں ان کوٹھی والوں سے ملاقات کرنا چاہیے۔“ فاروق نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔“

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ جلد ہی ایک بخاری بھر کم سا آدمی نظر آیا۔

”ہاں! کیا بات ہے؟“ اس نے اکھڑے لجھے میں کہا۔  
”یہاں— کل ایک کار کھڑی تھی۔ زرد رنگ کی ٹیڑوٹا۔“

اں کا نمبر تھا۔ ایل کے ۳۶۴۲۔ آج وہ نظر نہیں ہے رہی:

”آپ کو دھوکا ہوا ہے۔“

”یہ تو مشکل ہے جناب۔ فاروق مسکرایا۔“

”کیا مشکل ہے؟ اس نے جیران ہو کر کہا۔“

”میں دھوکا نہیں سو سکتا۔ البتہ، ہم دھوکے کو ہو جاتے ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوتی؟ اس نے ناخوش گوار انداز میں کہا۔“

”میں نے اس کار کے نیب فوٹ کیے تھے جناب۔ اور وہ یہیں کھڑی تھی۔“

”نہیں جناب۔ آپ کو غلط فہمی ہوتی ہے۔“

”اچھا جناب۔ معاف کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو زحمت دی۔“ محمود نے کہا اور جانے کے لیے مُڑ گیا۔

”اے اے۔“ فاروق پھرا گیا۔ غالباً وہ ابھی اور پُچھ چکھ کرنا چاہتا تھا۔ یہک محمود تو اتنی دیر میں کار تک پہنچ گیا تھا۔ عین اس وقت فرزانہ بھی کار کی طرف چلی گئی۔ اب مجبوراً اسے بھی واپس جانا پڑا۔ اس نے ایک نظر بخاری بھر کم آدمی پر ڈالی اور بولا:

”ہم بہت جلد پھر آئیں گے جناب۔ اس وقت آپ کو، ہماری ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔“

”جاو جاؤ۔ بہت دیکھے ہیں تم جیسے۔ اس نے ہاتھ پھاتے ہوئے کہا۔“

”وہ کار میں آ بیٹھے۔ محمود اور فرزانہ کے منہ بُری طرح پھوٹے ہوئے تھے۔“

”یاد تھا را دماغ ضرور چل گیا ہے۔ بلا وجہ بھاگ دوڑ کی ہے، ہم نے۔“

”تم نہیں سمجھو گے۔ کاش اتنی جان نے میرے پکڑے میں میں نہ ڈالے ہوں۔“

”ماںگتے رہو دعا۔ اللہ سنتے والا ہے۔“ فرزانہ نے جل کر کہا۔

”اس میں کیا شک ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

اور پھر وہ گھر پہنچ گئے۔

”آپ نے میرے پکڑے ابھی میں تو نہیں ڈالے۔“

فاروق نے اپنی اتنی جان سے پوچھا۔

”ہاں ڈال دیے۔ کیوں؟ بیگم جشید بولیں۔“

”اوہ! یہ بہت بُرا ہوا۔“

”بس اب تم نمبر پیٹ کا ذکر نہ کرنا۔“ محمود نے جھلکر کہا۔

”بات کیا ہے؟“

”ان پکڑوں کی جیب میں میں نے کافذ کی ایک چٹک رکھ دی تھی۔ دوسری چیزوں سے الگ۔ چھوٹی والی

جیب میں۔"

تو پھر میں نے وہ چٹ اس جیب میں سے نکال لی  
تھی۔ "وہ بولیں۔"

"اے۔ وہ مارا۔ اُمی جان زندہ باد۔"

آنکھوں نے چٹ نکال کر فاروق کی طرف بڑھا دی۔  
محمد اور فرزانہ نے دیکھا۔ چٹ پر ایل کے ۳۶۲ نکھا تھا۔

## غور کی بھیک

"اب کی کہتے ہو۔ وہاں سے تو تم اس طرح چلے

آئے تھے جیسے میرا دماغ خراب ہو۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں نیز۔ فرزانہ مسکرائی۔"

"کس میں کوئی شک نہیں؟" فاروق نے اپنے گھوڑا۔

"اس میں کہ تمہارا دماغ خراب ہے۔ باقی رہی بات کار  
دیکھنے کی۔ تم نے ایسا ضرور خواب میں دیکھا ہے۔" محمد نے  
مسکرا کر کہا۔

"اب دماغ چلنے کی باری شاید تمہاری ہے۔ آنکھوں  
سے یہ چٹ دیکھ رہے ہو جس پر میں نے نیبر لکھ کر  
رکھ لیا تھا اور پھر بھی یہ بات کہ دہتے ہو۔" فاروق نے  
آنکھیں نکالیں۔

"اچھا نیز۔ ہم اس معاملے پر غور کر لیتے ہیں۔" فرزانہ  
نے منہ بنایا۔

”تم تو اس طرح کر رہی ہو جیسے میں تم سے خود کی بھیک مانگ رہا ہوں۔“ فاروق جملہ اٹھا۔

”خود کی بھیک۔ بھی وہ۔ یہ تو کسی نادل کا نام ہو سکتا ہے۔“ محمود نے اسے چڑانے کے انداز میں کہا۔

”دن دھاڑے تکہ کلاموں پر ڈاکے پڑنے لگے۔“  
”ہو گئی۔“ فاروق جل گیا۔

”تم بھی کمال کرتے ہو۔“ دن دھاڑے تو اب ٹرینوں پر ڈاکے پڑ رہے، میں۔ تھیں کلام تکمبوں کی پڑتی ہے۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا کہا۔ کلام تکیے۔ یہ کس قسم کے تکیے، ہوتے ہیں؟“ فرزانہ نے جیران ہو کر کہا۔

”یہ وہ تکیے ہیں جو ہوا دینے لگتے ہیں۔“ محمود بولا۔

”بالکل غلط۔ وہ پتے ہوتے ہیں۔ جن پتوں پر تھا تکہ وہی پتے ہوا دینے لگے۔“ فاروق نے گلنگانے کے انداز میں کہا۔

”اچا بابا۔ آؤ چلیں۔ اس شخص سے دوبارہ ملاقات کریں اور اسے بتائیں کہ اس نے غلط بیانی کی ہے۔ ارے مگر...“ فرزانہ پونک اٹھی۔

”اب یہ ارے مگر کہاں سے ملپک پڑا۔ جب کہ

یہاں دُور دُور تک کسی اگر مگر اور ارے ورے کی ضرورت نظر نہیں آ رہی۔“ فاروق نے جھٹائے ہوئے انداز میں کہا۔

”ضرورت کی بھی ایک ہی کھی۔ بھی کسی وقت بھی کسی بھی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔“ محمود مسکرا یا۔

”اچھا پڑ سکتی ہو گی۔“ تم کار اور کار کے نمبر پر بات کرو۔“ فاروق نے منز بنا یا۔

”میں یہ کہنے لگی تھی کہ آخر تھیں اس کار کا نمبر نوٹ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تھی۔ کاریں تو قریب قریب ہر کوٹھی میں کھڑی رہتی ہیں۔ اور تم ہر کھڑی میں

کھڑی کار کے نمبر نوٹ نہیں کرتے۔“

”ہاں! یہ طھیک ہے۔“ مجھے پاگل کہتے نے نہیں کام کریں ہر کھڑی میں کھڑی کار کے نمبر نوٹ کروں۔ میں نے بتایا نا۔ اس کوٹھی کے باہر ایک بچپن گر پڑا تھا۔ میں نے کار روک لی۔ یونچے اتر کر اس بچے کو آٹھایا، وہ کوٹھی کے اندر چلا گی۔ ایسے میں میری نظر اس کار پر پڑتی۔ اور میں نے اس کے نمبر لکھ کر جیب میں رکھ لیئے۔“

”ہاں! تم نے یہی بتایا تھا۔ اور یہی ہم جانتا چاہتے ہیں کہ ایسا کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟“

"بھی یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ کاغذ پر  
سلوٹیں ہیں۔ وہ مسکراتے۔  
اور کوئی بات۔ جو آپ کے اندازے کی زد میں آ  
گئی ہو؟ فاروق مسکرا یا۔"

"اس کار میں فاروق کو کوئی خاص بات نظر آئی۔  
اس نے نمبر نوٹ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اور آج۔  
آج پھر کچھ ہوا ہے۔ کار کے بارے میں کوئی نئی بات  
سامنے آئی ہے۔ اس لیے کل کا تحریر کر دہ یہ نمبر لکھنے  
کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ میں غلط تو نہیں کر رہا ہو؟  
آپ اور غلط کہیں گے۔ یہ کام تو، تم بخوبی کر  
لیتے ہیں ابا جان۔ فاروق نے مسکرا کر کہا۔"

"اچھا اب ساری بات بتا دو۔"

"پہلے چائے تو پی لیں۔ کہیں بات شروع ہو گئی تو  
چائے دھری رہ جائے گی۔"  
چائے کی تو عادت ہے اتنی جان۔ جب دیکھو، دھری  
کی دھری رہ جاتی ہے۔ فاروق نے فودا کہا۔

"لیجیے۔ اب چائے بھی دھری کی دھری رہنے لگیں۔  
آگے آگے دیکھیے، ہوتا ہے کیا؟"  
وہی ہو گا جو منظور خدا ہو گا۔ تم اس کار کی بات کرو۔"

"ایسا کرنے کی ضرورت یہ پیش ہے گئی تھی کہ ...  
یعنی اس وقت دروازے کی لگھٹی بھی۔ انداز انپک  
جمشید کا تھا۔

"ابا جان آ گئے۔ محمود نے کہا اور دروازے کی طرف دی  
اوہ پھر انپکڑ جمشید کے ساتھ اندر آتا نظر آیا۔ اُخ  
نے ٹینوں پر ایک نظر ڈالی اور بولے:

"کسی کار کے چکر میں ہو کیا؟  
ادے باپ رے، آپ نے یہ کس طرح جان لیا  
وہ جران رہ گئے۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ یہ ایل کے ۳۶۸۲ جو کاغذ پر  
لکھا پڑا ہے۔"

"اوہ! آپ نے آتے ہی اس پڑھ کو پڑھ لیا۔  
میں نے تو اور بھی بہت کچھ پڑھ لیا ہے۔ اُخوا  
نے مسکرا کر کہا۔"

"اوہ بھی بہت کچھ کیا؟" محمود نے فراؤ کہا۔

"کار کے نمبر فاروق نے نوٹ کیے تھے۔ آج نہیں  
کل نوٹ کیے تھے۔ یا پھر شاید پرسوں۔"

"کمال ہے۔ آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا؟  
فاروق کے لمحے میں جیرت تھی۔"

یہ کہ اخھوں نے سب انپکٹر اکرام کے نمبر ملا تے :  
 "السلام علیکم اکرام۔ آج شہر میں کوئی کچلی ہوئی لاش تو  
 میں ملی ہیں۔"

”وعلیکم السلام - کمال ہے۔ آپ کو یہ کس طرح معلوم ہو گیا۔ جب کہ یہ بات اس وقت تک صرف مجھے معلوم ہے اور کسی کو نہیں۔“ اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

”کیا مطلب ۔۔۔ یہ کیا بات ہوتی کہ یہ بات اس وقت تک  
صرف تحسین معلوم ہے؟“

”ابھی ابھی میرے ایک ماتحت نے فون پر اطلاع دی ہے کہ ساحل پر ایک پچھلی سوئی لاش پڑی ہے۔ اس کے بارے میں کسی نے کوئی فون نہیں کیا۔ جب کہ واردات غیر وراثت کی ہے۔“

"لاش کس جگہ پڑی ہے اکھرام؟"  
"لار۔ لاشر۔" فاروق گھا گھا۔

”لاش کا ذکر نہیں ہے، ہی شی گم ہو گئی۔ چلے تھے کار  
کے نمبر نوٹ کرنے۔“ محمود نے مذاق اڑانے کے انداز  
میں کہا۔

”اور کیا — بھلا لاشوں سے کیا گھیرنا — ان کا اور ہمارا تو پچولی دامن کا ساتھ ہے۔“

فاروق نے تفصیل سنادی۔ انپر جمیل سوچ میں ڈوب گئے۔ اُسی وقت بیگم جمیل نے چائے کی ٹرے سامنے رکھ دی۔ چائے کے دوران وہ سوچ میں بیگم رہے، آخر بولے: ”ٹھیک ہے۔ تم چھان بین کرو۔ کوئی حرج نہیں۔“ شکریہ آبا جان! فاروق نے نوش ہو کر کہا۔

"لیکن آیا جان - فاروق نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ اس نے نمبر نوٹ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی؟ اس لیے کہ کام کے طامہ خون آلو د تھے۔"

"کیا! ان کے منہ سے بکلا۔

"ہو سکتا ہے۔ اس کار کے نیچے کوئی کٹا یا کوئی اور جانور آ گیا ہو۔ ورنہ کوئی ایسا بے دقوف ہے۔ کہ اپنی کار کے ذریعے جرم بھی کرے اور اس کو خون آلود حالت میں کوٹھی میں بھی کھڑا رکھئے۔"

"ہاں! اسی خیال سے میں نے ان لوگوں سے کوئی پوچھ گھے نہیں کی تھی۔ لیکن آج جب ہم نے اس نمبر کی ایک دوسری کار دیکھی تو میں چونک اٹھا۔ اور جب ہم کو کچھ تباہ کرنے کا بنا نہیں تھا۔"

”نظریہ آتا ہے کہ اس کار کے ذریعے کوئی جرم کیا گی ہے۔ مظہرو۔ میں اکرام کو خون کرتا ہوں۔“

سے پچاننا اب شاید بہت مشکل تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔

ادھر انپکٹر جمیڈ نے اکرام کا جواب سُن کر دیسیور یہے کار اس کی لاش پر سے باد باد گزاری گئی ہے۔

دکھ دیا : "یا اللہ رحم۔ بے چارے کے ساتھ کس قدر ظلم ہوا ہے۔"

"اکرام جائے واردات کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔" صرف ظلم نہیں۔ ظلم کی انتہا۔ اس لیے کہ مرنے وہ بھیں بھی ساتھ یلتا جاتے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کے بعد بھی گاڑی گزاری جاتی رہی۔ تاکہ یہ پچان میں بھیں اس کار کے ذریعے کسی انسان کو کچل کر ہلاک کیا گیا۔ اس سکے۔ ویسے احکام۔ لوگوں نے اپنے عزیزوں کی ہے۔ اور پھر کار فائیر کی پوریں، درج کراچی ہوں گی۔ ان لوگوں کو یہکن یہ غائب کرنے کا کون سا طریقہ ہے۔ میرا مطلب بناخت کے لیے بلانا ہو گا۔

ہے۔ شہر میں اس نمبر کی کار موجود ہے۔ صرف زنگ "ٹھیک ہے سر۔ یہ کام بھی ہو جائے گا۔" کا فرق ہے۔

"ہاں؛ اس کو بھی دیکھیں گے۔ پہلے لاش کا معائنہ تو کر لیں۔"

"اب ذرا لاش کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیں۔" وہ لاش کے گرد جمع ہو گئے۔ لاش کیا تھی۔ ٹوٹی چھوٹی ٹوٹیوں اور گوشت کے قیچے کا ایک چھوٹا سا ڈھیر جلد ہی اکرام والی پہنچ گیا۔ وہ اس کے ساتھ روانہ تھی۔ اب اس کی نب لاش کے ٹاٹھ ہوئے اور ساحل پر پہنچ گئے۔ سادہ بیاس والے اور چند پولیس میں لاش کے پاس موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ ایک طرف ہٹ گئے۔

"یہ تو سنان ساحل ہے۔ انپکٹر جمیڈ بولے۔"

"جی ہاں؛ اس طرف کوئی نہیں آتا۔" اکرام نے کہا۔

اب انھوں نے لاش کو دیکھا۔ وہ کسی فوجوان آدمی کی تھی، یہکن چہرہ اور جسم بالکل ٹوٹ چھوٹ گیا تھا اور

لگنا شروع ہو گئے۔ یہ بات بھی تو بجیب ہے کہ جس کار کے ذریعے اس غریب کو کچلا گیا۔ وہ کار اب نظر نہیں آ رہی۔ اس نمبر کی دوسری کار نظر آ رہی ہے۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

”اس سلسلے میں تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ثبوت ضائع کرنے کے لیے اس کار کو ضائع کر دیا اور وہی نمبر پلیٹ کسی دوسری گاڑی پر لگا دی۔ تاکہ کاڑی شناخت نہ ہو سکے۔ فرزانہ نے کہا۔

”یکن اب ان سے یہ تو پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کی زرد کار کہاں ہے؟“

”یہ تو اب اس لیے پوچھا جائے گا ناک فاروق نے اس کار کے نمبر نوٹ کر لیے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان سے یہ بات کس طرح پوچھی جا سکتی تھی۔“

”یکن محلے کے بوگیاں کیا اس تبدیلی کو محسوس نہ کرتے ہیں۔“

”ضرد کرتے، یکن انہیں یہ بات کب معلوم ہے کہ معاملہ قتل کا ہے۔ گاڑیاں تو ادھر سے اُدھر ہوتی رہتی ہیں۔“

”تب پھر وہ اس گاڑی کا نام و نشان سک ختم کر دیتے۔ اس نمبر کی پلیٹ کسی دوسری گاڑی پر چکانے

کی کی ضرورت تھی؟“

”یہ تو اب ان سے ملاقات کے بعد، ہی معلوم ہو گا کہ چکر کیا ہے۔ ویسے تو یہ پُورا معاملہ ہی بجیب و غریب ہے۔“

”اور سب سے زیادہ یہ نب پریشان کر رہی ہے۔ اس کی موجودگی سمجھے میں نہیں آ رہی۔ ہم صرف اتنی سی بات کر سکتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اس کے ہاتھ میں پن کی ایک نب تھی۔ سوال یہ ہے کہ نب کیوں تھی؟ پن ہاتھ میں ہوتا تو ایک بات بھی تھی۔“

”شاید یہ کیس ہمارے دماغ کی چولیں تک ہل دے گا۔“

”کوئی بات نہیں۔ دماغ کی چولیں ہنا صحت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ انپر چیز مسکراتے۔“

”اوہ ارے ہائیں۔“ فرزانہ نور سے چونکی۔

”آگئی اس کے ذہن میں کوئی بات۔ ورنہ اکٹھتے تین لفظ منہ سے نہ بکھتے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”ہاں! آگئی۔ تم کیا چاہتے ہو، نہ آئے؟“ فرزانہ جلے کٹے انداز میں کہا۔

”اس میں جلنے بخشنے کی تو اتنی ضرورت نہیں۔“ فاروق

مُسکرا دیا۔

"ہاں ! جتنی ضرورت ہے، اتنا جل لو۔" محمود نے فوراً کہا۔

"جلتی ہے میری بُوچی۔"

"اس لیے آباجان کو ہر ماہ کئی جوڑے لانا پڑتے ہیں تمہارے لیے۔"

"وہ بات ذہن سے ذہنکل جاتے۔" انپکٹر جشید نے گھبرا کر کہا۔

"اوے ہاں ! آباجان۔ آج کل کاروں کی پکی نے، میرا مطلب ہے۔ ہمارے ملک میں کاروں کے سب سے بڑے ڈیڑنے ایک انعامی سیکم شروع کی تھی۔ سال میں ایک بار ایک انعام فروخت ہونے والی سال کی تمام کاروں میں سے کسی کار کو دیا جاتا ہے۔ اور وہ انعام دس لاکھ روپے کا ہے۔ لیکن اس انعام کو حاصل کرنے کے لیے کار کے صرف کاغذات ضروری نہیں ہیں، کار کا ہوتا ضروری ہے۔ شاید اسی لیے انہوں نے کار کو تو تباہ کر دیا، لیکن انعامی سیکم میں شامل ہونے کے لیے پچھلے سال کی کسی کار پر وہ نمبر پلیٹ لگا دی۔"

"شاید آج تمہارا دماغ گھاس پھرنے چلا گیا ہے۔"

فاروق نے گمراہ سامنہ بنایا۔

"یہ بات کس بات سے ثابت ہے؟"

"اس بات سے کہ ہر سال گاڑیوں کے ڈیڑائیں میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کی جاتی ہے۔ جس سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ کار کس سال کی ہے۔ لہذا اس طرح تمہاری یہ بات نہیں چلے گی۔"

"دھست تیرے کی؟" فرزاد نے جھلک کر کہا۔

"اب اگر میرے ملکے کلام پر ڈاکا ڈالا ہے تو ہائیک پر ماٹھ بھی مارو۔" محمود نے غصے میں آ کر کہا۔

انپکٹر جشید مُسکرا دیے۔

"آپس میں رعنے کی بجائے تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ مقتول کے ہاتھ میں نب کیوں تھا۔"

"ایک تو اس نب نے، ہماری اُجھسن میں اضافہ کر دیا ہے۔"

اکرام کے آدمی اپنے کام میں تیزی سے مصروف تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان کی باتیں سن، ہی نہ رہے ہوں۔ البتہ کبھی کبھی ان کے بیوں پر مکراہٹ آجھ ہی آتی تھی۔ غالباً فاروق کے کسی جملے پر اپنی مکراہٹ کو روکنے ان کے بیس میں نہیں رہ جاتا تھا۔

ٹاگروں کے نشانات ضرور محفوظ کر لیئے گئے تھے۔  
 اب وہ سیدھے اس کوٹھی پر پہنچے۔ جس میں فاروق  
 نے کارکھڑی دیکھی تھی۔  
 محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ ایک منٹ  
 بعد دروازہ کھلا اور وہی شخص نظر آیا جس نے کچھ دیر پہلے  
 ان سے بات کی تھی۔  
 ”آپ۔ آپ لوگ پھر آ گئے۔ آخر آپ چاہتے  
 کیا ہیں؟“  
 ”ہم نے آپ سے ایک کار کے بارے میں پوچھا  
 تھا۔“ فاروق نے کہا۔  
 ”اور میں نے بتا دیا تھا کہ یہاں زرد دنگ کی کوئی  
 کار نہیں ہے۔ نہ یہاں کوئی کارکھڑی تھی۔“  
 ”اس کا مطلب یہ ہے جناب کہ آپ جھوٹ بول  
 رہے ہیں۔“  
 ”ہرگز نہیں۔ آخر مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت،  
 جب کر سکل، ہم لوگ یہاں۔ اس کوٹھی میں تو کیا، اس  
 شہر میں بھی نہیں تھے۔“  
 ”کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوتی؟“ انپکڑ جمیڈ نے  
 پوچک کر کہا۔

”قاتل کو پکڑنا شاید اس کیس میں مشکل ثابت نہ ہو،  
 یونک اتفاق کی بات ہے کہ وہ کار والا ہماری نظروں  
 میں ہے۔ اگر کہیں فاروق اس کار کے نمبر نہ نوٹ  
 کر لیتا تو شاید یہ مشکل ترین کیس ثابت ہوتا۔ کیا حیال  
 ہے ابا جان؟“  
 ”میں تو اس کیس کو اب بھی مشکل محسوس کر رہا ہوں،  
 یہ صحیک ہے۔ دو آدمی ہماری نظروں میں ہیں۔ ایک  
 وہ جس کی کوٹھی میں فاروق نے کارکھڑی دیکھی اور  
 دوسرا جاوید جوگی۔ جس کو کار میں دیکھا گیا۔ ہو سکتا  
 ہے۔ ان دو میں سے کوئی ایک قاتل ہو۔ لیکن  
 یہاں سب سے بڑا سوال یہ بھی ہے کہ قتل کرنے  
 کا سبب کیا ہے؟“  
 ”ہاں! اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو پہچانا نہ جاسکے۔  
 ”اور دوسرا بڑا سوال اس کیس کا یہ ہے کہ مقتول  
 کون تھا؟“  
 ”یہ بات تو خیر بہت جلد سامنے آ جائے گی کہ  
 مرنے والا کون تھا۔“  
 آخر اکرام کے آدمیوں نے کام مکمل کر لیا۔ اس  
 نب کے علاوہ وہاں اور کوئی چیز نہ ملی۔ البتہ کار کے

” یہ بات یہ ہوئی جناب کہ، ہم اس کوٹھی میں آج  
ہی آتے ہیں۔ میں ایک سرکاری آفیسر ہوں۔ میرا تبادلہ  
اس شہر میں ہو گیا ہے۔ اور ہم آج، ہی یہاں آتے  
ہیں۔“ اس نے کہا۔

” یہن آتے ہی آپ کو یہ کوٹھی کس طرح مل گئی؟  
اخنوں نے پوچھا۔

” یہ اللہ کی مہربانی ہے۔“

” اس میں تو خیر کیا شک ہو سکتا ہے۔“

” کوٹھی اس طرح مل گئی کہ میں نے اپنے بھنکے کے  
لوگوں سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے کوئی کوٹھی  
تلائش کر دیں۔ جب اخنوں نے تلاش کر دی تو  
مجھے اطلاع دی۔ درمیانی وقفے میں میں نے چھٹیاں  
لے لی تھیں۔ یکونکہ رہائش کا مسئلہ حل کرنا تھا۔ میں  
نے کوٹھی کو دیکھنے اور پسند کرنے کی بھی ضرورت محسوس  
نہیں کی۔ بس اپنے گھرانے کو لے کر چلا آیا۔“ اس نے  
جلدی جلدی بتایا۔

” آپ کے گھر میں کوئی نہجا بچھے ہے۔ قریباً دو سال  
کا۔“ فاروقی نے گھبرا کر پوچھا۔

” نہیں جناب۔ میرے بچے تو بڑے ہیں، ہائی سکول

کے۔“ وہ بولا۔

” تب پھر آپ کو تو ہم سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ  
یہاں آج ہی آتے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم کر کل یہاں  
کوئی کارکھڑی تھی یا نہیں۔“

” یہ بات میں نہیں کہ سکتا تھا۔“

” وہ کیوں؟“

” اس لیے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ کوٹھی کتنی ماہ  
سے خالی تھی۔ کرایہ زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی  
اس کوٹھی کو کرتے پر لے ہی نہیں رہا تھا۔ لہذا  
یہ بھیں آپ کے لیے مل گئی۔“

” ہوں۔ تب پھر ہو سکتا ہے۔ کل کچھ لوگ کوٹھی  
کی صفائی وغیرہ کے لیے آتے ہوں اور وہ اس زرد  
کار پر آتے ہوں۔“

” اوہ ہاں! یہ ہو سکتا ہے۔ یہن اس کے لیے تو مجھے  
اپنے بھنکے کے لوگوں سے پوچھنا پڑے گا۔“

” تو پھر مہربانی فرمایا کہ پوچھ لیں۔ یہاں فون ہو گا۔“  
” فون ہے، یہن دفتر میں تو اس وقت کوئی نہیں  
ہو گا۔ لہذا یہ کام اب کل ہو سکتا ہے۔ میں تو  
ان کے گھروں کے فون نمبر یا پتے بھی نہیں جانتا۔“

”اپ کون سے دفتر میں کام کرتے ہیں؟“  
 ”میرا تعلق یہر ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔ ہم کل اپ کے دفتر آئیں گے۔  
 ”شکریہ! اس نے کہا۔

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ کی آنکھیں  
 چیرت سے پھیل گئیں۔

”مم۔ میں نے۔ میں نے اندر ایک بچے کے رونے کی  
 آواز سنی ہے۔ چھوٹے بچے کی۔ وہ ہملائی۔“  
 ”تو پھر اس میں کیا ہے۔ کیا گھروں میں بچے  
 نہیں ہوتے۔“ فاروق نے اسے گھورا۔  
 ”گھاس کھا گئے ہو۔ ابھی ابھی انہوں نے بتایا ہے  
 کہ ان کے گھر میں کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں ہے۔“  
 ”ہاں! یہی بات ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی چھوٹا  
 بچہ نہیں ہے۔“

”اپ جھوٹ پر جھوٹ بول رہے ہیں جناب، پہلا  
 جھوٹ آپ نے کار کے پارے میں بولا، حالانکہ میں  
 یہاں نہ صرف اس کار کو کھڑے دیکھ پچھا ہوں، بلکہ  
 میں نے اس کے نمبر بھی نوٹ کیے تھے۔ اسی وقت  
 میں نے یہاں ایک بچے کو اٹھایا تھا، وہ گر گیا

تحا۔ جُونہی میں نے بچے کو اٹھایا۔ وہ فروں اندر چلا گیا، لیکن آپ کا بیان ہے کہ یہاں کوئی کار نہیں تھی۔ اور نہ آپ کے گھر میں کوئی بچہ ہے۔ جب کہ ہمارا دی بہن کے کام بہت زیادہ تیز ہیں۔ اتنے تیز کہ آپ سچ بھی نہیں سکتے۔

”آپ لوگ ہیں کون؟ آپ نے یہ اب تک نہیں بتایا۔ اس نے مجھن کے عالم میں کہا۔

”مجھے انپکٹر جیشید کہتا ہیں اور یہ ہیں محمود، فاروق اور فرزانہ۔ معاف کیجیے گا، آپ نے بھی اپنا نام بھی تک نہیں بتایا۔ انپکٹر جیشید مسکراتے۔

”میرا نام عامر غازی ہے۔

”شکریہ عامر غازی صاحب۔ آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم اس کو تھی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“

”اوے اوے۔ کیا آپ مجھے کوئی جراحت پڑی خیال کر رہے ہیں؟“

”نہیں۔ لیکن ہم اپنا شک دوں یکے بغیر نہیں جاسکتے۔“

”میں کہ چکا ہوں۔ میرے گھر میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے۔“

”تلاشی دینے میں کیا حرج ہے؟“

”کوئی نہیں۔ لیکن میرے گھر والے پریشان تو ہوں گے۔ عامر غازی نے کہا۔

”ہم ان کی پریشانی کو دُور کرنے کی کوشش کریں گے، آپ فکر نہ کریں۔“

”اچھی بات ہے۔ آئیے۔“

”آپ پرودہ نہیں کرائیں گے؟ انہوں نے پوچھا۔

”میری بیوی پرودہ نہیں کرتی۔ آئیے۔“

”وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔

”سلی بیگم۔ یہ لوگ ہمارے مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ تم کہاں ہو؟“

”کیا مطلب۔ تلاشی۔ یہ کون لوگ ہیں؟“

”پولیس آفیسرز۔“

”تلاشی۔ پولیس آفیسرز۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ کہتے ہوئے وہ اندر سے نکل کر سامنے آگئی۔ اس کے ساتھ

دو بڑے بچے بھی آگئے۔ عامر غازی انہیں بتانے لگا

کہ وہ تلاشی کیوں لینا چاہتے ہیں۔ اور پھر انہوں نے

تلاشی شروع کی۔ لیکن اس گھر میں کسی چھوٹے بچے کا

دُور دُور تکمچہ کوئی نشان نظر نہ آیا۔ نہ کسی چھوٹے بچے کے

چھوٹے چڑیاں مل سکیں۔

"میرا خیال ہے۔ فرزان کے کان گھاس پر نے گئے  
ہوئے ہیں آج۔"

"میرے کان غلط نہیں ہو سکتے۔ ہاں ہماری آنکھیں  
دھوکا لگا رہی ہیں۔" فرزان نے پریقین انداز میں کہا۔  
"کی کہ رہی ہو۔ یہاں اب آجان بھی موجود ہیں۔  
لیاں کی آنکھیں بھی دھوکا لگا رہی ہیں؟" محمود نے بھنا  
کر کہا۔

"کیوں نہیں بھی۔ آخر میں بھی انسان ہوں۔ وہ  
مُسکرا دیے۔

"ہم ایک بار پھر دیکھ لیتے ہیں۔" فرزان نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔" اپکٹر جھیڈ نے کہا۔ اور پھر انھوں  
نے کوئی سماں کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا، لیکن کوئی  
بچہ پھر بھی نہ مل سکا۔

"میں جیران ہوں۔ آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں۔ بچہ  
کوئی سخا سا ذرہ تو ہوتا نہیں۔ جس کی تلاش کے لیے  
اس قدر باریک بینی کی جاتے۔ یہاں تک کہ آپ نے  
عدسے کی مدد سے بھی دیکھا بھالا ہے۔"

"آپ، ہمارے طریقوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے  
یہ ہمارا روز کا کام ہے۔ بہر حال اب ہم چلتے ہیں اور

بہت جلد پھر آئیں گے۔" اپکٹر جھیڈ نے مکراتے ہوئے کہا۔  
"کیا مطلب۔ پھر آئیں گے۔ ابھی آنا باقی رہ گیا ہے۔"  
"ہاں! اس لیے کہ، ہمیں بچہ نہیں مل سکا۔ نکار  
کا سوراخ مل سکا۔ لہذا ہم پھر آئیں گے۔ اس وقت  
تک آتے رہیں گے۔ جب تک کہ اس معنے کو  
حل نہیں کر لیتے۔ آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ یہ معاملہ  
قتل کا ہے۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"کی کہا۔ قتل کا؟ وہ دھک سے رہ گیا۔

"ہاں! اگر آپ کو کچھ معلوم ہے۔ تو بتا دیں۔  
ورز قتل کے بحث میں کوئی یات چھپانا آپ کے لیے  
حد درجے نقصان دہ ثابت ہو گا۔"

"یا اللہ! ہم کس مصیبت میں چھپن گئے یہاں آتے  
ہی۔ اور یہ گر قتل کون ہوا ہے؟"

"کاش! ہمیں معلوم ہوتا کہ کون قتل ہوا ہے۔"

"آپ تو ہماری انجھنوں میں اضافہ ہی کرتے چلے  
جا رہے ہیں۔"

"ہم بے چارے کیا آپ کی انجھوں میں اضافہ کریں  
گے۔ خود ہماری انجھنوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔"  
فاروق نے منہ بنایا۔

”بات ذرا عجیب و غریب ہے۔ کھڑے رہ کر نہیں بتا سکیں گے۔ فرزان نے مذہب نیا۔“  
 ”اوہ! معاف کیجیے گا۔ آئیے۔“  
 ”وہ انھیں ڈرانگ رومن میں لے آیا۔ ڈرانگ رومن کی ہر چیز سے سادگی ملپک رہی تھی۔ اب پتا نہیں۔ وہ سادہ مزاج تھا یا خرچ کرنے کے معاطلے میں پچھست تھا۔ یا پھر اسلام کے مطابق زندگی گزار رہا تھا۔“  
 ”تشریف رکھیے اور مجھے تفصیل سے بتائیے۔“  
 ”ایں کے ۳۹۲۴ نمبر کی کار ہم کہیں اور بھی دیکھ پکھیں۔“  
 ”فاروق بولا۔“

”جی! کیا مطلب؟“  
 ”مطلب یہ کہ اس نمبر کی شریں دو کاریں کیونکر موجود ہو سکتی ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے حرمت کی بات ہے۔“  
 ”واقعی نہیں ہو سکتیں۔ پھر؟“  
 ”یہ تو آپ بتائیں۔ آپ نے یہ کار کیسے خریدی تھی؟“  
 ”کاروں کی ایک کمپنی سے۔“  
 ”شکریہ! اس کے کاغذات وغیرہ دکھا دیں۔“  
 ”اس نے تمام پیزیں لا کر سامنے رکھ دیں۔ انھوں نے کاغذات کو چیک کیا، پھر کاروں کے ڈیلر کو فون کیا،“

”اوہ بھی چلیں۔ انکھڑا جمید نے کہا اور باہر نکل آئے۔“  
 ”عامر غازی دیر تک دروازے میں کھڑا انھیں دیکھتا رہا۔ اب وہ جاوید جوگی کے گھر پہنچے۔ اس کا پتا وہ نوٹ کر ہی چکے تھے۔ جاوید جوگی کی گھر میں مل گیا۔ اس نے سوالیہ انداز میں انھیں دیکھا، پھر بولا：“  
 ”میں آپ کو کیسی دیکھ چکا ہوں۔“

”آپ کی یادداشت اتنی اچھی نہیں۔ ورنہ آپ کو یاد ہوتا کہ آپ نے ہمیں کہاں دیکھا ہے۔ کیونکہ یہ بات آج ہی کی تو ہے۔“ محمود بولا۔  
 ”یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ واقعی میری یادداشت خراب ہے۔“ اس نے کہا۔

”ہم نے آپ کی کار کے بارے میں چند سوالات کیے تھے۔ آپ کا نام پتا وغیرہ نوٹ کیا تھا، مارکیٹ میں۔“  
 ”اوہ ہاں۔ یاد آیا۔“ اس نے فوراً کہا۔

”اب بھی ہم اس کار کی بات کرنے آتے ہیں۔“  
 ”کیا مطلب؟ کار کی بات کیا؟“

”کار کی بات یہ کہ یہ کار کیا آپ کی اپنی کار ہے؟“  
 ”فاروق نے حصہ ہوئے لجھے میں کہا۔“  
 ”ہاں بالکل۔ کیوں۔ بات کیا ہے؟“

اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ جاوید جوگی نے  
ان سے اس نمبر کی کار خریدی ہے۔

”اس کار کا رنگ اور نمبر کیا تھا؟“

”وہ نیچے رنگ کی ٹیوٹا تھی۔ بالکل نیا ماؤل۔ اور  
نمبر تھا ایل کے ۳۴۳۶۔“

”شکریہ جناب! انھوں نے کہا اور رسیور رکھ دیا:

”ہم نے آپ کو زحمت دی۔ امید ہے، معاف فرمائیں گے  
”مل۔ لیکن آخر یہ چکر کیا ہے۔ کیا آپ لوگ چوری  
کی کسی کار کی تلاش میں ہیں؟“

”یہ بات نہیں ہے۔ شہر میں دراصل قتل کی ایک  
واردات ہو گئی ہے۔ اور وہ قتل اس نمبر کی ایک کار کے  
福德یسے کیا گیا ہے۔“

”نن۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔“

”آپ نے اپنی کار کی کو ایک آدھ دن کے لیے دی  
تو نہیں تھی؟“  
اس نے چند سینٹ کے لیے سوچا، پھر نفی میں سر  
پلاتے ہوئے بولا:

”نہیں! کسی کو نہیں دی۔“

”سوچ لیں۔ اگر دی ہے تو فوراً بتا دیں۔ اس صورت

میں قتل کا الزام ہم آپ پر ہرگز نہیں لگائیں گے:  
”کیا کہا۔ قتل کا الزام۔ وہ کافی گی۔“

”ہاں! بالکل، لیکن ہم ابھی تفصیلات نہیں بتا سکتے۔“  
انپکٹر جمیڈ نے کہا۔

”نن نہیں۔ میرا تو کسی ایسی واردات سے دُور کا بھی  
واسطے آپ ثابت نہیں کر سکتے۔“

”شکریہ! ثابت کرنے کو اس دُنیا میں کیا ثابت نہیں  
کیا جا سکتا؟“ فاروق نے منہ بنایا۔

”فاروق! چُبپ رہو۔“ انپکٹر جمیڈ نے اسے گھوڑا۔

اب وہ وہاں سے بھی نکل آئے۔ انپکٹر جمیڈ نے  
کار میں لگے فون پر اکرام کے نبر ملاتے:

”ہاں! اکرام۔ اس لاش کے بارے میں کیا پتا چلا؟“

”ابھی تک میں کچھ معلوم نہیں کر سکا۔“ اس نے بتایا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلوب یہ کہ شہر کے کسی تھانے میں گم شدگی کی کوئی  
روپرٹ درج نہیں کرانی گئی۔“

”ہو سکتا ہے۔ مرنے والے کے گھر والوں کو یہ معلوم  
ہو کر وہ کسی دُور سے شہر گیا ہوا ہے۔ اب یہ تو اسیں اسی  
صورت میں معلوم ہو گا جب وہ واپس نہیں آتے گا۔“

”خیر۔ تم کوشش جاری رکھو اور ہاں؛ یہ چند پتے نوٹ کرو۔ ان کی نگرانی کرانی ہے۔ بہت ہی احتیاط سے، تمہارے آدمی کسی بھی معاملے میں داخل اندازی بالکل نہ کریں، صرف پورٹ دیں۔“

”او کے سر۔ ایک منٹ سر۔ ذرا ایک پیغام آ رہا ہے۔ وہ انتقاد کرنے لگے، پھر اکرام کی حیرت میں ڈوبنی آواز سنائی دی۔“

”سر۔ کار کا معاملہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔“  
”کیا مطلب؟“

”آپ یہیں آ جائیں۔“ اس نے کہا۔

”اچھی بات ہے، ہم آ رہے ہیں۔“ انہوں نے کہا  
اور پھر ان کا رُخ دفتر کی طرف ہو گیا۔  
”یہ کار کا معاملہ ضرور کچھ نہ کچھ کر کے رہے گا۔“ انپکٹر  
جیشید بڑھ رہا تھے۔

”پتا نہیں! اب ہم کون سی عجیب خبر سننے والے ہیں۔“  
فرزاد نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

”اندازہ لگانے کی کوشش کرو،“ انپکٹر جیشید مکراتے۔

”اگلے کیا آپ کوئی اندازہ لگا چکے ہیں؟“  
”ابھی تک نہیں۔ اب ہمیں اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی

کے ذریعے اس لاش کے رشتے داروں کو تلاش کرنا پڑے گا  
شاپر۔“ وہ بولے۔

”تو پھر اس بارے میں بھی ہدایات دے ڈالیں۔“  
”ہاں! ٹھیک ہے۔“

انپکٹر جیشید ان حکموں کو فون کرنے لگے۔ وہ تفصیلات  
لکھواتے چلے گئے۔ ہجومی وہ اس کام سے فارغ ہوتے،  
دفتر سامنے آگیا۔

اکرام بے تابانہ انداز میں ان کی طرف پکا۔  
”وہ۔ اس کار کو دس لاکھ روپے کا انعام ملا ہے سر۔“

”کیا!“

”وہ حیرت زدہ رہ گئے۔“

## خون کے ذرات

"کیا کہنا چاہتے ہو مجھی؟"

"کاروں کی انجینی کے ماں۔ ریحان ڈابا ہر سال کسی ایک نمبر پر دس لاکھ روپے کا انعام دیتے ہیں۔ اس سال یہ انعام ایل کے ۳۶۴۲ کو ملا ہے۔ یہ دیکھیے۔

ابھی ابھی یہ خبر اخبارات کو بھجوائی گئی ہے۔"

"تو یہ ہم تک یہ خبر اخبارات کے مالکان کے ذریعے پہنچی ہے؟"

"ہاں جناب! میں نے یہ نمبر تھاںوں میں درج کروا دیا تھا۔ کہ اس نمبر کے بارے میں اگر کوئی بات معلوم ہو تو فوراً مجھے اطلاع دی جائے۔ سو اطلاع مل گئی۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے۔۔۔ صحیح کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہو گی۔ اور جاوید جوگی دس لاکھ کا ماں بن جائے گا۔ جب کہ اسی نمبر کی کار نے ایک انسان

کو کچلا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب سامان ہماری انجمنوں کے لیے ہے آبا جان۔ فاروق نے منہ بنایا۔ اکرام مسکرانے لگا۔ محمود اور فراز بھی ہنس رہی پڑتے۔

"ایک منٹ۔" یہ کہ کر انپکٹر جمیش نے جاوید جوگی کے نمبر ملاتے۔ جلد، یہ اس کی اولین سناٹی دی:

"جاوید جوگی بات کر رہا ہوں۔"

"مبارک ہو جناب۔" انپکٹر جمیش نے ٹنزیہ لجھے میں کہا۔

"جی کیا مطلب۔ کیسی مبارک ہو۔ اور آپ کون ہیں؟"

"ہم وہی ہیں۔ جو ابھی آپ سے آ کر ملے تھے۔"

"آپ انپکٹر جمیش تو نہیں ہیں۔"

"میں انپکٹر جمیش ہی ہوں۔ اور آپ کو خوش خبری سنانے کے لیے فون کیا ہے۔"

"کیسی خوش خبری؟"

"کاروں کی انعامی سیکم میں آپ کو انعام ملا ہے۔

دس لاکھ روپے کا۔"

"گک۔ کیا۔ کیا۔۔۔ وہ چلا آٹھا۔"

"جی ہاں! فاروق نے منہ رسیور کے نزدیک کر کے کہا۔

"ہم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ آپ نے مجھے یہ خبر سنائی ہے۔

کہ مجھے دس لاکھ انعام ملا ہے۔

"ہاں ! ہم نے یہ غلطی کی ہے۔" فاروق نے فرما کر۔

"میرے تو ہو گئے وارے نیارے۔"

"لیکن یہ وارے نیارے آپ کو مہنگے بھی پڑ سکتے ہیں۔" محمود بول اٹھا۔

"وہ کیسے ؟"

"اس طرح کہ اس نمبر کی کار کے ذریعے ایک شخص کو کچلا گیا ہے۔"

"اڑے باپ رے۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔" پہلے بھی آپ نے قتل کی بات کر کے میرے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ اس نے کہا۔

"اوسان خطا کرنا ہمارے بائیں لاتھ کا کھیل ہے۔" فاروق بولا۔

"تم چب نہیں رہ سکتے۔" انپکٹر جمیش نے تبلہ کر کر کہا اور رسیور کے قریب منڈے گئے۔

"رہنے کو کیوں نہیں رہ سکتا۔ آپ جس حالت میں فرمائیں، رہ سکتا ہوں۔"

"حد ہو گئی۔ ہاں جا ب ! ہم ایک بار پھر آپ کے پاس آ رہے ہیں، آپ کہیں جائینے کا نہیں۔"

"لک۔ کیا آپ مجھے گرفتار کرنے آ رہے ہیں ؟" "اڑے نہیں۔ جب تک ہم کسی کے خلاف مکمل ثبوت حاصل نہیں کرتے، اسے گرفتار نہیں کرتے، لیکن ثبوت مکمل ہونے پر گرفتار کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن ہمارے ملک میں تو دو گوں کو صرف شک کی بنیاد پر پکڑ کر کئی کئی ماہ حوالات میں بند رکھا جاتا ہے، مقدمہ شک درج نہیں کیا جاتا۔"

"ایسا کرنا سراسر ظلم ہے۔ اور ایسا وہ لوگ کرتے ہیں، جو تیش کرنا نہیں جانتے۔" انپکٹر جمیش مسکاتے۔

یہ کہ کر انھوں نے رسیور کو دیا۔ جلد ہی وہ پھر

اس کے سامنے بیٹھتے:

"ہاں ! اب کیسے۔ یہ کار آپ نے کیسے خریدی تھی ؟" "بیجان ٹدایا اپنی سے۔ ٹیوٹا کی تو پورے ملک میں یہی اپنی ہے۔ نئی کاریں براہ راست نکلوانے کے لیے۔" اس نے کہا۔

"ہُوں ! آپ کاغذات ذرا مجھے دے دیں، میں ان کی رسید آپ کو دوں گا، یکونکہ کاغذات فی الحال میرے پاس رہیں گے۔"

کو نہیں جانتا؟

” یہ شخص ایک سرکاری آفیسر ہے۔ دوسرے شہر سے تبدیل ہو کر یہاں آیا ہے۔ جس روز یہ آیا ہے، اس سے صرف ایک روز پہلے اس کی کوٹھی میں یعنی جو کوٹھی اس کے لیے کرتے پر لی گئی ہے، اس میں ایک کار کھڑی دیکھی گئی تھی۔ اس کار کا نمبر بھی سایہ تھا۔ جو آپ کی کار کا ہے۔“

” یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے تو اس نے چران ہو کر کہا۔ پتا نہیں، کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کار سے ایک انسان کو اس بُری طرح گُلدا گیا تھا کہ اسے پہچانا مشکل ہو گیا ہے۔“

” آپ کا مطلب ہے۔ میری یہ کار وہاں کھڑی تھی۔“ ” نہیں ! یہ کار نہیں لکھڑی تھی۔ ماذل غائب یہی تھا، وہ بھی نتی ہی کار تھی، لیکن اس کا نمبر یہی تھا۔ ایک دن کے اندر تو اس کا دنگ تبدیل ہو نہیں سکتا۔ لہذا وہ دوسری کار تھی۔ البتہ اب اس کا نمبر آپ کی کار پر لگا ہوا ہے۔ یہی بات ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ ایسا کیوں ہے؟“ ” جعلہ میں کیا بتا سکتا ہوں۔ ہاں ! یہ ہو سکتا ہے

” آپ تو مجھے ڈرانے دے رہے ہیں جناب۔“

” کوشش تو ہم یہی کرتے ہیں کہ کسی کو نہ ڈرائیں، لیکن بعض اوقات ایسی صورت حال پیش آ جاتی ہے کہ نہ چاہئے کے باوجود بھی لوگ ہم سے ڈرنے لگتے ہیں۔“

” پتا نہیں، آپ کیا کہ رہے ہیں۔ میں نے بہر حال یہ گاڑی ایجنسی سے خریدی تھی۔ اب اگر اس پر انعام نکل آیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟“

” سوال یہ ہے کہ اس نمبر کی کار سے ایک عدد قتل کیوں ریکا گیا؟“

” یہ آپ کا کہنا ہے۔ میرا بیان یہ ہے کہ میں نے اپنی کار کسی کو نہیں دی۔“

” ہم بہت جلد اس قتل کا سارانغ لگایں گے۔ یہ بات نوٹ کر لیں۔ انپکٹر جیشنے سرداوار میں کہا۔ ” ضرور لگائیں۔ یہ آپ کا کام ہے۔ لیکن آپ مجھے کیوں ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں؟“

” یہ بھی ہمارا کام ہے۔ فاروق مسکرا یا۔“

” اچھا ایک بات بتائیں۔ آپ کسی عامر غازی کو جانتے ہیں؟“

” عامر غازی۔ جی نہیں۔ میں اس نام کے کوئی شخص

کہ ان کار والوں نے میری کار کے نمبر اپنی کار پر لگا کر فارڈات کی ہو۔  
”لیکن یکوں — کیا انھیں آپ سے کوئی شکتی تھی۔  
یا کوئی اور بات ؟“

”مجھے نہیں معلوم جناب۔“

”اچھا — ہم آپ کی کار کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ کار ہمیں دو گھنٹے کے لیے دے دیں۔ میں آپ کو اس کی رسید دے دیتا ہوں۔ ایسا کر کے آپ قانون کی مدد کریں گے۔“

”ضرور — مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

”شکریہ — چلو بھائی۔ ان کی کار ڈرایبو کر کے کمرہ امتحان تک لے چلو۔ انھوں نے محمود سے کہا۔

”بھی کیا فرمایا — کمرہ امتحان تک۔ آپ اس سے کچھ اگلوں میں گے؟“ فارڈوق کے لمحے میں جرت تھی۔

”نہیں۔ ہم وہاں اس کا اچھی طرح جائزہ لیں گے۔“

”میں بہت جھبراہٹ اور بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔“

”جناب۔ جاوید جوگی نے کہا۔“

”آپ کو کرنی بھی چاہیے۔“ فارڈوق مُسکرا�ا۔

”ایک تو آپ ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔“

”ان حالات میں یہ بھی بڑی بات ہے۔“ فارڈوق نے فوراً کہا۔

”ان حالات میں کون سی بات بڑی بات ہے، کیا کہنا چاہتے ہو؟“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”بھی کہ ہم ہر بات کم اذکر مذاق میں تو اڑا دیتے ہیں، دوسرے تو اتنا بھی نہیں کر سکتے۔“ فارڈوق نے فوراً جواب دیا۔

”تم سے خدا سمجھئے۔“ محمود جھلا اٹھا۔

آخر دوہ اس کی کار لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔  
کمرہ امتحان یعنی یلباد ٹری لے جانے سے پہلے انپکٹر جشید اسے ایک دوست کی درکتاب میں لائے۔

”آپ ادھر کیسے راستہ بھول پڑتے ؟“ دوست نے چیرن ہو کر کہا۔

”یکوں بھی۔ کیا ہماری گاڑیاں مرمت کے لیے نہیں آتی رہتیں؟“

”میں آپ کی بات کر رہا ہوں۔“

بھی — ہماری گاڑیاں مرمت کے لیے آتی رہتی ہیں  
تو گویا ہم آتے رہتے ہیں۔ اچھا ہاں۔ ذرا اس گاڑی کو

چیک کرنا ہے۔

"کیا اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔ چیک یہ کرنا ہے۔ اس گاڑی کا رنگ پہلے کیا تھا۔ اس کے ٹانروں کو تبدیل تو نہیں کیا گی۔" انھوں نے کہا۔

"ٹانروں کو تبدیل تو نہیں کیا گیا۔ کیا مطلب یہ کیا بات ہوتی ہے؟"

"مطلب یہ کہ یہ ٹانر کچھ چلے ہوتے ہیں یا نہیں۔ یا ان کی درزوں میں کہیں خون تو نہیں لگا ہوا۔"

"اڑے بآپ رے۔ خون۔ وہ کچھرا گیا۔"

"ہاں! میرا نیوال ہے۔ اس گاڑی کے ذریعے کسی شخص کو کچلا گیا ہے۔"

"توہہ توہہ۔ کیا ایسے بے رحم لوگ بھی ہیں اس جملہ میں؟ وہ بولا۔"

"پتا نہیں۔ کس کس قسم کے ظالم لوگ موجود ہیں۔ آپ جلدی کام شروع کریں۔"

اس نے گاڑی کو اچھی طرح چیک کرنا شروع کر دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس نے ان سے کہا:

"ٹانروں میں کہیں کوئی خون نہیں ہے۔ اور اس

کار کا رنگ بھی بالکل اصلی ہے۔ دوبارہ رنگ نہیں کی گئی۔"

"کیا تم نے پوکی طرح یقین کر لیا ہے؟" "ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کار کو کسی واردات-

کے سلسلے میں استعمال نہیں کیا گیا۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر یہ بات غلط ثابت ہوئی تو میں تم سے سمجھ لوں گا۔"

"لکھ۔ کیا مطلب۔ مجھ سے کیوں سمجھ لیں گے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"سنگو میرے منزی دوست خاور جانی۔ یہ واردات قتل کی ہے۔ اور تمہارا بیان اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ اگر تم مجھ سے یہ کہ دیتے ہو کہ ہاں اس کار کے ذریعے واردات کی گئی ہے تو میں اسی وقت کار کے مالک کو گرفتار کر سکتا ہوں، لیکن تمہاری روپورٹ کے بعد میں اسے گرفتار نہیں کر سکتا۔ اب چاہے وہ مجرم کیوں نہ ہو۔ اس لیے ایک بار پھر خود کرلو۔ انھوں نے کہا۔"

"میں۔ اپنا پورا اطمینان کر چکا ہوں اور اب مزید اطمینان کرنے کے لیے مجھے پکھ کرنے کی ضرورت نہیں۔" خاور جانی

43  
”ٹائروں کی اندر ونی درزیوں میں خون کے ذرات موجود ہیں۔ وہ ذرات بھی الگ کر لیے گئے ہیں۔ ان کا لٹ بھی کر دیا گیا ہے۔“  
یہ روپوٹ مٹن کر وہ دھک سے رہ گئے۔ انھیں اپنے کافلوں پر اعتبار نہ آیا۔

ٹائروں کی اندر ونی درزیوں میں خون کے ذرات موجود ہیں۔ اپنے کار کو لے کر لیبارٹری پہنچے۔ لیبارٹری اپکارج کو انھوں نے باہر ہی بولا۔  
”آپ آج تک انسانی اجزا کی پیچانگ کرتے رہے ہیں۔ آج ذرا اس کار کو پیچک کر دیں۔“  
”کیا مطلب؟ وہ جیران رہ گیا۔“

”اس کار کے ٹائروں میں کسی انسان کا خون لگ گی تھا۔ لیکن اس کو زبردست طریقے سے صاف کر دیا گیا۔ کیم، کسی طرح یہ جان سکتے ہیں کہ کار کے ٹائروں تبدیل کیے گئے ہیں یا خون کا کوئی ذرہ رہنے نہیں دیا گیا۔“

”اوہ! اس کے لیے تو بہت محنت کرنا ہو گی۔“ اس نے گھبرا کر کہا۔  
”تو کرو محنت۔ دو کاس نے ہے۔“ انپکٹر جمیڈ نے جھلا کر کہا۔

اور وہ اس کار پر شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے ماتحتوں کی فوج بھی تھی۔ دو گھنٹے کی محنت کے بعد اس نے روپوٹ ان کے سامنے رکھ دی:

ٹھے کہا۔

”اپنی بات ہے۔ شکریہ۔“

اب وہ اس کار کو لے کر لیبارٹری پہنچے۔ لیبارٹری

اپکارج کو انھوں نے باہر ہی بولا۔

”آپ آج تک انسانی اجزا کی پیچانگ کرتے رہے ہیں۔ آج ذرا اس کار کو پیچک کر دیں۔“

”کیا مطلب؟ وہ جیران رہ گیا۔“

## انسانی خون

”تب پھر مقتول کے خون کا اس خون کے ساتھ موازن بھی کیا جائے۔“ اپکٹر جمیش نے کہا۔

”اچھی بات۔ یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔“ یہاڑی اپکارج نے کہا۔

وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ادھر اپکٹر جمیش، محمود اور فرزانہ نے فاروق کو گوری طرح گھوونا شروع کر دیا۔ جب وہ مسلسل گھوونے پلے گئے تو فاروق گھرا گیا۔

”آ۔ آخر۔ میں نے کیا کیا ہے؟“ ”معلوم ہوتا ہے۔ تھماری عقل کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی گھاس پھرنے پلے جاتی ہیں۔“ فرزانہ بولی۔

”بالکل ٹھیک۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔“ ”ابا جان! آپ کیا کہتے ہیں؟“

”میں تو صرف یہ کہوں گا۔ کہ رنگ کے معاملے میں فاروق کو دھوکا ہوا ہے۔“

”جی نہیں۔ اول تو وہ وقت رات کا نہیں تھا۔“ دوسرے یہ کہ زرد رنگ رات کو بھی زرد ہی نظر آتا ہے، اگر وقت رات کا ہوتا تو بھی میں دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ تیسرا یہ کہ یہ معاملہ میں نے صرف یادداشت یا ک نہیں رکھا تھا۔ میں نے کافذ پر کار کے نہ صرف نمبر لکھتے ہے۔ بلکہ رنگ بھی لکھا تھا اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مجھے نظر تو نیلا آ رہا ہو اور میں لکھوں زرد۔ یہ بات بھی تو عقل میں آنے والی نہیں۔“ فاروق نے تقریر جھاڑ دی۔

”فاروق کی بات میں بھی وزن ہے بھی۔“ اپکٹر جمیش تھک تھک انداز میں مکارے۔

”ایک تو ہماری باتوں میں جب دیکھو، وزن صاحب تشریف لے آتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔

”اگر فاروق کی بات میں وزن ہے اور فاروق نے غلط نہیں لکھا تھا۔“ تب پھر خون کا موزانہ یہ بتائے گا کہ اس کار کے ٹھاٹروں پر سے ملنے والا خون اس آدمی کا نہیں ہے۔“

”ہاں بالکل۔ اس صورت میں۔ یہی بات سامنے آتے

ہے۔ فاروق بولا۔

”لیکن — مستری صاحب کا کہنا ہے کہ اس پر رنگ نہیں کیا گیا — دوسرے یہ کہ ہم اس بھٹکی کو دیکھ پکے ہیں — وہاں رنگ وغیرہ کرنے کے اختلافات ہرگز نہیں ہیں!“  
”اس کا بہترین حل سامنے ہے۔ ہمیں دماغوں کی پولیس ہلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ فاروق بولا۔  
”اور وہ کیا؟“

”جاوید جو گی — کار تو اسی کی ہے۔ یہ اس سے پوچھا جائے کہ اس رات گاڑی کہاں تھی：“  
”ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ پہلے اس سے بات کر لیں：“  
جاوید جو گی نے انھیں نظر بھر کر دیکھا:  
”اب کیا بات ہے جناب؟“  
”آپ کی کار والپس لے آئے ہیں۔ انپکٹر جمیڈ مکراتے۔  
”بہت بہت شکریہ!“

”اس کار کے ٹاکریوں پر انسانی خون لگا ہوا ہے۔ ان ٹاکریوں کو مضبوط کرنے کے لیے ان کو انسانی خون پلاتے رہتے ہیں آپ؟“

”جی۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟“  
”ہم وہی بات کہنے کے عادی ہیں جو کہنی چاہیے۔“ فاروق

گی۔ لیکن پھر کار کے نمبروں والی الجھن باقی رہ جائے گی۔

”اُسی وقت انچارج آتا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر جوش تھا۔

”لیچیے سر۔ یہ معاملہ بھی حل ہو گی۔ ٹاکریوں پر سے ملنے والا خون مقتول کا ہی ہے۔“  
”کیا! اُن کے منہ سے ایک ساقھہ نکلا۔

”جی ہاں! یہی بات ہے۔“

”مل۔ لیکن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“  
”یہ میرا کام نہیں ہے سر۔ آپ کا ہے۔ انچارج مسکرا گیا۔

”ہاں ہاں! یہ ہمارا کام ہے۔ یار فاروق۔ اب تم کیا کہتے ہو؟“ انپکٹر جمیڈ نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔  
”جی۔ کیا کہا آپ نے۔ یار فاروق۔ محمود جیران رہ گیا۔  
اوہ ہو بھتی۔ اس میں کیا ہو گی۔ اگر میں تے یار فاروق کہ دیا۔ ہاں فاروق، اب تم کیا کہتے ہو؟“

”لیکن اب آجائیں! لکھنے کی باری تو اب آپ کی ہے۔“  
”کیوں بھتی۔ یہ کیا بات ہوتی۔ اب تم رنگ کی وضاحت کرو نا۔“

”تب پھر ایک رات کے اندر اس کار کو رنگ کیا گیا۔

”اب میری بات پر کون یقین کرے گا۔“  
 ”آپ کیسے تو۔ یقین کی بات بعد میں۔“  
 ”ہاں! ٹھیک ہے۔ ۱۹ تاریخ کی رات کو کار گم  
ہو گئی تھی۔“

”کہاں سے؟“

”میرے گیراج سے۔ اس کا تالا ٹوٹا ہوا تھا۔ میرا مطلب  
ہے، گیراج کا۔ اور کار غائب تھی۔“  
 ”پھر آپ نے روپورٹ درج کرائی؟“

”میں نے سوچا تھا۔ صحیح جا کر روپورٹ درج کر دوں گا۔“  
 ”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ انپکٹر جمیش مسکراتے۔“

”بھی۔ کی مطلب۔ یہ آپ کس طرح کہ سکتے ہیں؟“  
 ”اس طرح کہ ایس تاریخ کی شام کو بھی یہ کار یہاں  
نہیں تھی۔ گویا اٹھاڑہ تاریخ سے بیس تاریخ کی صحیح تک  
کار آپ کے پاس نہیں تھی۔ اور اگر یہ گم ہوئی ہوتی  
تو آپ اس دوران ضرور روپورٹ درج کرتے۔ آپ پڑھے  
لکھے ہیں، آن پڑھ نہیں ہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں جھوٹ بولتا رہا ہوں۔“  
 ”صرف اور صرف اس لیے کہ کسی طرح میرے دوست پر  
آپخ نہ آئے۔ اٹھاڑہ کی صحیح یہ کار میرا دوست لے

نے من بنایا۔

”بات کیا ہے؟“

” بتایا تو ہے، آپ کی گاڑی کے ٹائروں سے انسانی  
خون کے ذات اُمارے گئے ہیں۔ ایک شخص کی لاش  
بھی ملی ہے۔ خون کے ان ذات میں اور لاش کے  
خون میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے، لہذا بالکل صاف بات  
یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس کار کے ذریعے ایک  
شخص کو مجری طرح چکلا ہے۔“

”نہ۔ نہیں۔“ وہ زور سے چلایا۔

”حقیقی پھانسے سے کوئی بے گناہ ثابت نہیں ہو  
جایا کرتا۔ لہذا آہستہ آواز میں بات کریں۔ انپکٹر جمیش  
نے غرماً کر کھا۔

”نج۔ جی بھتر!“ اس نے کاپ کر کھا۔

”آپ یہ بتائیں۔ ۱۹ تاریخ کو آپ کی کار کہاں تھی؟“  
 ”۱۹ تاریخ کو۔ کار۔ مم۔ میرے پاس۔“ وہ کہتے  
کہتے رُک گیا۔

”اگر جھوٹ بولیں گے تو اور چنس جائیں گے۔“

” چنس تو میں چکا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

گی تھا۔

”اور اس وقت اس کا رنگ نیلا تھا۔  
”نہ۔ نہیں۔ وہ ہکلایا۔

”کی مطلب؟“ وہ حیران رہ گئے۔

”اس کا رنگ دراصل زرد تھا۔“

”کیا!“ وہ ایک ساخت بولے۔

”جی ہاں!“ اس کا اصل رنگ زرد تھا۔ لیکن جب دوست نے لا کر دی تو رنگ نیلا ہو چکا تھا۔ میں نے اس پر بہت حیرت ظاہر کی۔ تو اس نے بتایا کہ گھاڑی لگ گئی تھی، میں نے شرمندی سے بچنے کے لیے پوری کی پوری رنگ کرادی۔“

”اس صورت میں تو اسے زرد رنگ کرانا چاہیے تھا۔“  
انپکٹر جمیش بولے۔

”کہنے لگا۔ مجھے نیلا رنگ پہنچا ہے۔“

”ہاؤ! اپنے دوست کا نام اور پتا بتا دیں۔“ فون ہے تو وہ بھی لکھوا دیں۔

”آپ۔ آپ اسے گرفتار کریں۔“ اس نے بوکھل کر کہا۔

”نہیں۔ ہم معاملے کی تحقیق کرتے ہیں۔ جب تک

کسی پر جرم ثابت نہیں ہو جاتا، اس وقت تک کسی کو گرفتار نہیں کرتے۔ یہ قانون انگریز نے ہمارے ہاں راجح کیا تھا۔ جس پر شک ہو، اسی کو پکڑ لو۔ مارو پیٹو اور جرم اگلواؤ۔ یہ اس نے یہاں اپنی ضرورت کے لیے راجح کیا تھا، تاکہ مسلمانوں پر خلم ڈھا سکے۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ اب تک وہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ پولیس کو شک ہو یا نہ ہو۔ اس شخص کا جرم سے چاہے دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ بس شک میں وہ کسی کو بھی پکڑ لیتی ہے۔ بلا وجہ دو دو تین تین ماہ۔ حالات میں رکھ کر تشدد کیا جاتا ہے۔ مقدمہ تک درج نہیں کیا جاتا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ آئتے دن ایسی درخواستیں ہائی کورٹ میں دائر کی جاتی ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ میں اس طریقے کے بالکل خلاف ہوں۔ اور اب میں اپنے ملک میں ان شار اللہ یہ قانون بنوا کر رہوں گا کہ پہلے ہر طرح سے تحقیقات کرنی چاہیں۔ اور جب کسی پر جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے گرفتار کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے دوست کو اس وقت تک گرفتار نہیں کریں گے۔ جب تک کہ وہ جرم ثابت نہ ہو جائے۔ انپکٹر جمیش جذباتی انداز میں کہتے چلے گئے۔

لے کر ہم اس کی طرف آ رہے ہیں۔

”جی بہتر؟“

”وہ باہر نکل آئے۔ انپکٹر جشید نے فوراً حکم میلینگون کے متعلقہ آدمی کو فون کیا۔ اور نمبر بتاتے ہوئے بولے: ”ان دونوں نمبروں پر آدھ گھنٹے تک نظر رکھو۔ کوئی بات تو نہیں ہوتی۔“

”بہت بہتر جناب۔“ اس نے کہا۔

”وہ دنال سے روانہ ہوئے اور گلشن کالونی پہنچے۔“  
بن۔ ۱۱۱ تلاش کرنے میں انھیں پچھے دیر لگ گئی۔ پھر جُونہی کوٹھی نظر آئی۔ انپکٹر جشید بولے۔

”محمود! تم جا کر گھنٹی بجاو۔ میں ذرا میلی فون والوں سے بات کر لوں۔“

”جی بہتر! محمود یہ کہ کر گاڑی سے اُتر گیا۔“

انھوں نے نمبر ملائے اور بولے:

”یکوں بھئی۔ دونوں نمبروں پر بات ہوئی ہے۔“

”ہاں جناب، ہوئی ہے۔“

”کیا کہا۔ بات ہوئی ہے؟“ وہ جیران رہ گئے، یکونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جاوید جوگی نے ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا۔ اور یہ ایک بجیب بات تھی۔

”شکریہ جناب! اس کا نام رضا سالم بیگ ہے۔“ بن۔ ۱۱۱

گلشن کالونی پتا ہے:

”شکریہ! اسپ کام کی کرتے ہیں؟“

”اپنا کاروبار ہے۔ کھلونے بنانے کی چھوٹی سی نیکلری ہے۔“

”اور دوست کیا کرتا ہے؟“

”وہ ایک وکیل ہے۔“

”کیا اس کے پاس اپنی کار نہیں ہے؟“

”ہے۔ لیکن اس روز اس کی کار خراب ہو گئی تھی اور اسے گاڑی کی میری نسبت زیادہ ضرورت تھی۔“ اس نے بتایا۔

”اچھی بات ہے۔ لیکن ہم جیران ہیں۔ اس نے اس قدر جلد گاڑی رنگ کس طرح کرایا؟“

”یہ تو وہی بتا سکتا ہے۔ میرے سوالات کے جواب میں تو اس نے یہی کہا تھا۔ کہ بس یار جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ جیسے تیسے میں نے جلد از جلد اس پر رنگ کرو دیا ہے۔ اب تم مجھ سے سوالات نہ کرو۔“

”ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آپ ہم سے ایک وعدہ کریں۔“

”لگ۔ کیا وعدہ؟“

”آپ اپنے دوست کو فون کر کے خبردار نہیں کریں۔“

"ہاں جناب، بات کی گئی ہے۔"

"بہت خوب! انھوں نے کیا بات کی ہے؟"

"فون کرنے والے نے دوسرے کو یہ اطلاع دی ہے کہ آپ اس سے ملنے آ رہے ہیں، کار کے بارے میں سوالات کرنے - لہذا وہ پہلے ہی ہوشیار ہو جائے اور سوچ سمجھ لے۔ کیا بات کرنی ہے - تیکن وہ یہ ظاہر نہ ہونے دے کر میں نے تمیں فون کیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"ہوں! اور کوئی بات نہیں۔"

"جی نہیں۔" بس انھوں نے تو اتنی ہی بات کی ہے۔

"شکریہ - یہی کافی ہے۔"

رسیور رکھ کر وہ کار سے اُتر آئے اور کوٹھی کی طرف بڑھے۔ اسی وقت دروازہ گھلا اور ایک نوجوان آدمی نظر آیا۔

"ہمیں رضا سیلم بیگ سے ملا ہے۔"

"میں ہی رضا سیلم ہوں۔ فرمائیے۔"

"اندر بیٹھ کر بات ہو گی۔ یہاں نہیں۔" انپر ٹھیش نے سرد آواز میں کہا۔

"آئیں۔" اس نے کہا۔

"وہ کافی فکر مند لگ رہا تھا، لیکن کوشش کر رہا تھا۔"

کہ فکر مند نظر نہ آئے۔

"آپ سے آدھ گھنٹے کے دوران جاوید بھوگی نے فون

پر بات تو نہیں کی ہے؟"

"نہیں جناب۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"بات بھی بتاتے ہیں بھی۔ فکر کیوں کرتے ہیں۔"

آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"مم۔ میں ایک وکیل ہوں۔ اس نے کہا۔"

آپ وکالت کرتے ہیں یا کسی محلے میں ملازم ہیں؟"

انھوں نے پوچھا۔

"میں وکالت کرتا ہوں۔"

"شکریہ! تو آپ سے جاوید بھوگی نے فون پر کوئی

بات نہیں کی ہے؟"

"ہم دوست ہیں، فون پر اکثر بات کرتے ہیں، لیکن

آج اس نے مجھے فون نہیں کیا، نہ میں نے۔"

آپ نے ان سے ان کی کار ادھار لی تھی۔ تین دن

کے لیے۔ ادھار سے بیس تاریخ تک؟"

"ہاں؛ بالکل لی تھی، لیکن بات کیا ہے؟"

"آپ نے کار کو کہاں رکھا تھا؟"

"یہیں رکھا تھا اور کہا رکھتا۔"

"ان تین دن کے دوران کار آپ کے پاس ہی رہی،  
وہ پھر وی تو نہیں ہوتی؟"

"ایسا ہوا تو تھا جناب" اس نے کہا۔

"کیا مطلب - کیا ہوا تھا؟ انہوں نے اسے لھوڑا۔

"کار کسی نے پھرالی تھی - میں نے فوراً جاوید جوگی کو  
فون کیا۔ اس نے یہی مشورہ دیا کہ میں رپورٹ درج کراؤں۔"

"تو کیا آپ نے رپورٹ درج کرائی؟"

"بھی ہاں! بالکل"

"شکریہ! پھر کار آپ کو کس طرح ملی؟"

"خود بخود" اس نے کہا۔

"کیا کہا۔ خود بخود؟ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"خود بخود اس لیے کہ میں تاریخ کی صحیح کو کار میری  
کوٹھی کے سامنے کھڑی تھی - میں نے یہ فوراً جاوید جوگی  
کے حوالے کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔"

"آپ کو اس کارنگ دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی۔ انپرکھ  
جمشید نے بُرا سامنہ بنایا۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بتیوں ہی گیا۔ رنگ دیکھ کر  
حیرت ہوتی تھی - بلکہ بہت زیادہ حیرت ہوتی تھی -  
میں نے یہ بات جب جاوید جوگی کو بتائی تو اس کی

حیرت کا بھی کوئی ظہکانا نہیں رہا تھا - لیکن گاڑی وہی  
تھی، نمبر وہی تھا - لہذا ہم نے صرف اتنا کیا کہ رپورٹ  
درج کراؤں۔"

"آپ دونوں یا تو بہت چالاک ہیں - اور اپنے مقابلے  
میں باقی سب لوگوں کو عقل سے پیدل خیال کرتے ہیں،  
یا پھر بالکل بے وقوف ہیں۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"بھی کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ کام ملنے کے بعد آپ نے تھانے  
میں اطلاع دی کہ کار تو بل گئی ہے، لیکن اس کارنگ  
بدل دیا گیا ہے۔

"ہاں! بالکل" اس نے کہا۔

"بہت خوب! آخر وکیل ہیں - کوئی کمی کیوں رہنے  
دیتے، لیکن پھر آپ کو یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت  
تھی کہ جاوید جوگی نے ابھی آپ سے فون پر بات نہیں  
کی۔ انہوں نے کہا۔

"اس میں جھوٹ نہیں ہے - اس نے آج واقعی مجھ  
سے بات نہیں کی۔"

"بالکل غلط - جاوید جوگی کے ہاں سے روانہ ہوتے  
وقت میں نے ٹیکلی فون ایکس چینچ کے ایک ذائقے دار آفسر

کو فون کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ ان دونوں نمبرز کو نظر و پس رکھیں۔ ایک آدھ گھنٹے کے اندر جو گفتگو ہو، وہ سنتے رہیں۔ لہذا یہاں پہنچنے پر پہلے میں نے ایکس پیچنے سے رپورٹ لی۔ انہوں نے بتایا کہ جاوید جوگی نے رضا سیلم بیگ کو فون کیا تھا اور رضا سیلم سے یہ کہا تھا کہ انپکٹر جمیش تم سے ملنے آ رہے ہیں، پہلے ہی سوچ بھجو کر کیا کہنا ہے۔

"اوہ؟ وہ دھک سے رہ گیا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہ طھیک ہے۔ اس نے فون کیا تھا۔ اور یہ الفاظ کہے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مجرم ہم نے کیا ہے۔"

"اب آپ ساری بات صاف بتا دیں۔"  
"بات دہی ہے۔ جو میں نے بتائی۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب ہمیں کاد ملی تو وہ ہون آؤ د تھی۔ اس کا رنگ بھی زرد تھا۔ ہمارے دماغ میں بس یہی بات آئی کہ اس کو بہت اچھی طرح دصلوا لیا جائے اور رنگ تبدیل کر دیا جائے، لیکن اس قدر جلد یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی کاری گر ایک دن کے اندر یہ کام نہیں

کر سکتا تھا۔"

"لیکن کیوں۔ ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ دھے پولیس اسٹیشن جاتے اور ساری صورت حال بتا دیتے۔ یونکہ رپورٹ تو آپ نے درج کر رکھی تھی، آپ پر کوئی الزام نہ آتا۔"

"بس ہم ڈر گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ کچھ سمجھائی نہ دیا۔"

"لیکن آپ تو دکیل ہیں۔"

"ہاں! ہوں۔ لیکن جب خود پر مصیبت ٹوٹی ہے تو پھر ہوش و حواس کام نہیں آتے۔" اس نے کہا۔

"اس کہانی میں پسح کتنا ہے اور جھوٹ کتنا؟"

"اس میں ایک فی صد بھی جھوٹ نہیں ہے۔" رضا سیلم بیگ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم آپ کے بیان کی صحت کو چیک کریں گے۔ اگر یہ بیان بھی غلط ہوا تو پھر، ہم آپ کو گرفتار کر لیں گے۔"

"لیکن جناب! آخر قتل کون ہوا ہے؟" سیلم رضا بیگ نے حرمت زدہ اندازہ میں کہا۔

"ایک انسان، فی الحال میں یہی کہ سکتا ہوں۔ آپ عامر غاذی کو جانتے ہیں۔"

کا ایک پلانٹ بھی تو ہے۔ اور وہ لوگ بہت جلد رنگ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہاں تو تمام کام میشوں کے ذریعے ہوتا ہے۔

"اوہ! آپ کا مطلب ہے۔ آپ نے رنگ ریخان ڈبایا کے کاروں کے پلانٹ سے کرایا تھا۔ انپکٹر جمیش حیرت زدہ رہ گئے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔ سیم رفابیگ نے فوراً کہا۔  
انپکٹر جمیش اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"عامر نازی۔ جی نہیں تو۔ یہ نام تو میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"اس شہر کی جنوبی سڑک پر ایک کوٹھی ہے، پُرانی سی۔ آپ کبھی اس طرف گئے ہیں؟"  
"جنوبی سڑک۔ پُرانی سی کوٹھی۔ میں سمجھا نہیں۔ شہر میں کسی طرف سے بھی گزد سکتا ہوں۔"

"خُنقر طور پر میں آپ کا بیان دہراتا ہوں۔ آپ نے اٹھارہ تاریخ کو اپنے دوست سے کار ادھار لی، لیکن وہ آپ کے گیراج سے غائب ہو گئی۔ آپ نے روپ درج کرای۔ وہ میں تاریخ کی صبح آپ کو واپس ملی، لیکن ٹھوں آکو دیکھی۔ آپ نے اس کو دھلوایا اور رنگ کروایا۔ یہی بیان ہے نا آپ کا؟"

"جی ہاں! اس نے فوراً کہا۔"

انپکٹر جمیش بھرپور انداز میں سکلائے، پھر بولے:

"اب صرف یہ بتا دیں، اس قدر جلد رنگ کس نے کر دیا۔ جب کہ یہ کام دو تین دن سے کم میں نہیں ہوتا، کیونکہ رنگ کو خشک ہونے میں بھی وقت لگتا ہے۔"

"ہمارے سامنے یہ بہت بڑا سوال تھا، لیکن پھر اپناں میرے ذہن میں ایک بات آگئی۔ ہمارے شہر میں کاروں

## یہ لو

کیا ہوا جناب ! خیر تو ہے ؟

” محمود ، فاروق تم یہیں رہو۔ مسٹر رضا سیم آپ کسی کو فون نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے فون کرنے کی کوشش کی تو یہ دونوں آپ کو فون نہیں کرنے دیں گے：“  
” یہیں یکوں۔ آپ مجھے شہری حق سے کیوں محروم کردے ہیں۔ کیا میرے خلاف کوئی جرم ثابت ہو چکا ہے ؟  
اس نے جھلاؤ کر کہا۔

” ابھی نہیں ہوا ، یہیں بہت جلد ہونے والا ہے۔  
” ہم نے آپ کو گرفتار تو نہیں کیا۔ چلیے قانون کی مدد کے نام پر آپ تھوڑی دیر کے لیے کسی کو فون نہ کریں۔“

” طیک ہے۔ میں ضرور ایسا کروں گا：“

” یعنی کیا مطلب — فون کریں گے ؟

” نہیں۔ آپ سے تعاون کروں گا۔“

” محمود — فاروق — ہم اس پوزیشن میں نہیں کہ ان پر اعتبار کر سکیں۔“

” طیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔“

الپکٹر جشید اسی وقت فرزانہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چند منٹ خاموشی کے عالم میں گزر گئے ، پھر رضا سیم بیگ نے کہا :

” آپ کے خیال میں آپ کے والد کہاں گئے ہوں گے ؟  
” ہمارے خیال میں تو وہ کاروں کے پلانٹ تک گئے ہیں۔“

” وہاں سے تو فوراً میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔  
” تب پھر آپ کو فکر کیا ہے۔ فاروق نے منہ بنایا۔  
” نہیں تو — میں یکوں فکر مند ہونے لگا۔“ اس نے کندھے اچکائے۔

” اوہ ہاں واقعی — فکر مند تو ہم ہیں۔ آخر ہمیں نامعلوم مقتول کے قاتل کو پکڑنا ہے۔ بلکہ ابھی تک تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس غریب کو قتل کیا کیوں گیا ہے۔“

” میں کیا کہ سکتا ہوں ؟ رضا سیم بیگ بولا۔“

” ویسے جناب ! ایک بات عجیب ہے۔ قاتل کو کس طرح پتا چل گیا تھا۔ کہ آپ اپنے دوست کی کار لے

کر آئے ہیں۔"

" یہ تو آپ قاتل سے پوچھیے گا۔"

" آپ کی اپنی کار کماں ہے؟"

" درکشہ میں - خراب پڑی ہے۔"

" درکشہ کا نام پتا؟"

" پودھری درکشہ، مانی روڈ۔"

" پلانٹ یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟"

" آدھہ گھنٹے کا راستا تو ضرور ہو گا۔"

" ہوں شکریہ - پودھری درکشہ والے آپ کی کار یہاں سے لے گئے ہوں گے۔"

" ہاں! میں نے انھیں فون کیا تھا۔ میں اپنی کار ہمیشہ انھی سے مرمت کرتا ہوں۔"

" ہمیں آپ پختے نظر آتے ہیں۔ اللہ آپ پر رحم کرے، دیسے آپ کو اس غریب کو کچھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

" یہ آپ کیا کر رہے ہیں جتاب - میں نے کسی آدمی کو نہیں پکلا۔"

" تب پھر آپ سیدھے پولیس کے پاس کیوں نہیں گئے؟" فاروق بولا۔

" وہ فوراً مجھے گرفتار کر لیتے۔"

" ہمارا خیال ہے - وہ آپ کو گرفتار نہیں کر سکتے تھے،  
یکونکہ آپ آخر ایک وکیل ہیں۔"

" پولیس والے کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔"

ٹھیک آدھہ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ رضا سیم نے  
ریسیور اٹھایا اور پھر محمود کی طرف بڑھا دیا:  
" آپ کا فون۔"

محمود نے ریسیور لے لیا - دوسری طرف سے انپکٹر  
جشید کو رہے تھے:

" ہم یہاں پہنچ گئے ہیں - تم دونوں جہاں جانا چاہو،  
جا سکتے ہو، کوئی کام نہ ہو تو گھر پہنچو - ہم بھی یہاں  
سے کھرا آئیں گے۔"

" جی بہتر؟" محمود نے کہا اور ریسیور رکھ دیا:

" وہ ہاں پہنچ گئے ہیں، لہذا ہم جا رہے ہیں۔"  
اس نے کچھ نہ کہا۔ انھیں رخصت ہوتے دیکھا رہا۔  
دونوں نے باہر نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی۔ محمود نے فوراً کہا:  
" مانی روڈ۔"

" او کے۔" درائیور نے کہا۔

مانی روڈ پہنچ کر وہ پودھری درکشہ کے سامنے

”ہاں ! میں ہی ہوں — آپ کو کیا کام ہے ؟“  
 ”رضا سیم بیگ کو جانتے ہیں ؟“  
 ”جاننا ہوں — وہ اپنی گاڑی ہم سے مرمت کرتے ہیں“  
 ”باقل خیک — ان کی گاڑی آج کل بھی آپ کے پاس  
 آئی ہوئی ہے ؟“  
 ”ہاں ! گاڑی کی ٹکر ہو گئی تھی — لہذا اس مرتبہ اس  
 میں کام زیادہ ہے ، لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں ؟“  
 ”سیم رضا بیگ کو آپ نے بتایا تھا کہ گاڑی خیک ہوئے  
 میں پکھ وقت لگ جائے گا“  
 ”ہاں باقل ! میں نے کہ دیا تھا کہ ایک ہفتہ لگے گا“  
 ”شکریہ آپ جانتے ہیں — آپ کی بات سن کر  
 اس نے کیا کیا ؟“  
 ”اس نے — کیا کیا — خیر تو ہے ؟“  
 ”اپنے دوست جاوید جوگی سے کار مانگ لی — وہ کار  
 اس کے گیراج سے کسی نے چھرا لی اور اس کار کے ذریعے  
 ایک عدالت کی واردات کر ڈالی۔“  
 ”یہ — یہ آپ کیا کہ رہے ہیں ؟“  
 ”جو بات ہے ، وہی کہ رہا ہوں“ محمود نے منہ بنایا۔  
 ”یکونکہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی تو ہم میں عادت

اُتر گئے — میکسی کو فارغ کر دیا — اور خود اسے بڑھے —  
 دروازے پر ایک پٹھان چوکیدار بیٹھا اونگھے رہا تھا۔ محمود  
 نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا :  
 ”اگل — کیا — بات ہے خوچر — کون ہوتا ؟“  
 ”ہمیں درکشہ کے ماں کے ملنے ہے“  
 ”خوچر — یہ چھی کا وقت ہے — وہ اس وقت گھر پر  
 ہے ؟ اس نے منہ بنایا۔  
 ”گھر کا پتا بتا دیں ، ہم وہاں پلے جاتے ہیں“ محمود  
 مسکرا دیا —  
 ”ایسا کیا کام آپڑا — صحیہ میں آ کر ملینا“  
 ”نہیں — کام بہت ضروری ہے اس پتا بتا دیں“  
 ”یہ اس کا کارڈ ہے — اس پر پتا لکھا ہے — یہ لوٹے  
 اس سے کارڈ لے کر وہاں سے بھی روان ہوئے —  
 اور چودھری کے گھر پہنچے ، دشک کے بواب میں ایک  
 نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا :  
 ”ہاں جناب ! کیا بات ہے ؟ اس کا لمحہ اکھڑا تھا۔  
 ”چودھری صاحب سے ملا ہے :“  
 ”تو میلے — روکا کس نے ہے“ فڑ بولा۔  
 ”اوہ ہو — آپ ہی ہیں چودھری درکشہ کے ماں کے“

ہی نہیں ہے؟ فاروق بول اٹھا۔

"کیا کہ رہے ہو بھائی ٹپ مسعود حیران رہ گیا۔

"لک - کیوں - لک - کیا میں کچھ غلط کر گیا؟ فاروق بھرا گیا۔

"کوئی ایسا ویسا غلط - ہمیں تو عادت ہی ادھر ادھر کی باتوں کی ہے:

"وہ آپس بھائیں - دوسروں سے نہیں:

"ہاں خیر - یہ بھی کسی حد تک ٹھیک ہے - ہاں تو بھودھری صاحب - ماگی ہوئی اس کار کے ذریعے کسی نامعلوم آدمی نے قتل کی واردات کی اور پھر کار سیم رضا کی کوٹھی کے سامنے چھوڑ گی - کار کے ٹھاڑخون آلود تھے - انہوں نے فوراً اس کا رنگ تبدیل کرنے کے بارے میں سوچا - شاید انہوں نے اس بارے میں مشورہ کیا تھا - کیا تھا نا؟

"ہاں! مشورہ کیا تھا؟

"تو پھر - آپ نے انہیں کیا مشورہ دیا؟

"یہ کہ وہ اپنی کار ریحان ڈاپا کے پلانٹ پر لے جائیں، وہ پیسے تو زیادہ وصول کریں گے، لیکن کار اس طرح رنگ ہو جائے گی - جیسے اس کا اصل رنگ یہی ہو

اور کاری گرتین مستری بھی یہ نہیں جان سکے گا کہ اس کا رنگ تبدیل کر دیا گیا ہے۔"

"بہت خوب! کیا یہ کام آپ درکشہ میں نہیں کر سکتے تھے؟"

"نہیں - ہمارے ہاں تو وہ ایک بنتے کے بعد مل سکتی تھی، جب کہ پلانٹ میں پوری کار صرف چند گھنٹے میں رنگ ہو جاتی ہے اور خلک بھی۔"

"اب سوال یہ ہے کہ رضا سیم بیگ کے گھر سے کار کس نے چڑائی؟ ظاہر ہے - وہ کوئی ایسا آدمی ہی ہو سکتا ہے - جس کو اس کے گیراج کے بارے میں معلوم ہو گا - اور یہ بھی کہ وہ اپنے دوست کی کار لے آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"یہ آپ مجھ سے کیوں کہ رہے ہیں؟" "آپ کو اچھی طرح یہ بات معلوم تھی - کہ رضا سیم بیگ اپنے دوست سے کار لے آیا ہے - اس کا گیراج آپ کا دیکھا بحال تھا - لہذا آپ نات کے وقت وہاں گئے اور گاڑی نکال لائے۔"

"لھاس کھا گئے ہیں آپ دونوں - آپ ہیں کون؟ اسے خصہ آ گیا۔"

" محمود اور فاروقی۔"

" محمود اور فاروقی۔ ارے باپ رے۔ انپکھڑ جمیں کے بچے۔"

" اس میں ارے باپ رے کی گنجائش کہاں سے نکل آئی جناب۔" فاروقی نے بُرا سامنہ بنایا۔

" آپ لوگ مجھ پر سراسر الزام لگادے ہیں۔"

" اگر آپ زیادہ غم دنگتے کا اظہار کریں گے تو ہم آپ پر قتل کا الزام بھی لگا دیں گے۔" فاروقی نے بُرا مان کر کہا۔

" جائیے۔ لگائیے الزام۔" اس نے بھتا کر کہا۔

" اس کے لیے، میں جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں کھڑے کھڑے الزام لگا سکتے ہیں۔" فاروقی نے کہا۔

" یاد تم تو چُپ رہو کم از کم۔"

" عین اس وقت ایک بچی دوڑتی ہوئی آئی۔"

" ابو۔ ابو۔ یہ آپ کے پیٹ کو۔"

" رافو۔ جاؤ اندر۔ اس وقت میں ضروری بات کر رہا ہوں۔"

انھوں نے دیکھا، آٹھ نو سال کی بچی جو دوڑ کر اپنے باپ کی طرف آمدی تھی، اس کی تیز آواز سن کر ٹھیک گئی اور پھر خوف زدہ ہو کر واپس مڑ گئی۔

" سن ییجھیے نا۔ بچی کی بات۔" فاروقی نے منہ بنایا۔

" اسے پین سے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ نہ جانے میرے لکھنے پین اب تک خراب کر چکی ہے۔ اب شاید اس پین کی باری ہے۔"

" اچھا اچھا۔ ہاں تو کیا بات ہو رہی تھی ہے۔"

" ہم آپ پر الزام لگاتے ہیں۔ رضا سیم بیگ کے گیراج سے کار آپ کے سوا کسی نے نہیں چڑائی۔"

" تو اس الزام کو ثابت بھی کریں نا۔"

" پہلا مرحلہ الزام لگانے کا ہے اور دوسرا مرحلہ ثابت کرنے کا۔ ہم بہت جلد ثبوت پیش کریں گے۔"

" ضرور کیوں نہیں۔" اس نے بھتا کر کہا۔

" عین اس وقت بچی پھر دوڑتی ہوئی آئی۔"

" ابو۔ ابو۔ آپ کے اس پین کا۔"

" اوہ! تم پھر آگئیں۔ تم یوں نہیں مانو گی۔ چلو اندر۔ بتاتا ہوں تمھیں۔" اس نے جھلک کر کہا۔

بچی اس وقت تک آگئے آگئی تھی۔ خوف زدہ ہو کر مڑی۔ اسی وقت فاروقی کوئی چیز اٹھانے کے انداز میں آگئے بڑھا۔ بچی اس سے ٹکرنا گئی اور دھڑام سے گروی:

" اوہ معاف کرنا میری بھن۔" فاروقی نے گھبرا کر کہا۔

" لک۔ کوئی بات نہیں۔ لگ۔ کوئی۔"

"ہاں ! اب نکالو وہ" محمود بولا۔

"گلک - کیا نکالوں ہے فاروق نے کہا اور اندر کی طرف دوڑا۔

اور وہ اندر بھاگ گئی۔

"اچھا جناب ! اب ہم چلتے ہیں۔ کل آپ کی ورکش بکاری

میں آئیں گے۔"

"ارے ارے - بھاگے کماں جا رہے ہو۔ نکالو" محمود

بھی اس کے پیچے دوڑا۔

ادھر سے بیگم جمیش پر سکون انداز میں چلی آ رہی تھیں،

لیکن انھیں اندھا وھند اپنی طرف آتے دیکھا تو ان کا سارا

سکون ہوا ہو گیا - چلا کر بولیں :

"ارے ارے - دیکھ کر بھاگو۔ ورنہ میں پیٹ میں

آ جاؤں گی۔"

فاروق زور سے چونکا اور عین وقت پر اس نے اپنا

رُخ تبدیل کر لیا، ورنہ وہ اپنی والدہ سمیت دھڑام سے

گرا ہوتا۔ ساتھ ہی وہ دیوار سے جا لگا اور محمود اس کے

سر پر بیٹھ گیا :

"یہ کیا دھما پھوکڑی ہے؟"

"امی جان ! اس نے ایک لڑکی کے ہاتھ سے ایک چیز

اٹائی ہے۔"

"ہائیں - فاروق ! اب تم اس قسم کی حرکتیں بھی کرنے

چھے، جب کہ میں بچی کی طرف۔ اس لیے یہ کام مجھے کرنا

پڑتا۔" فاروق نے کہا۔

اس وقت انھیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ وہ اس میں بیٹھ

"فروروں کیوں نہیں - یہکن مزا تب ہے، جب میرے

خلاف تکملہ ثبوت لے آئیں۔"

"ہم کوشش کریں گے - اپنی کوشش میں کامیاب ہوتے

ہیں یا نہیں - یہ اور بات ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس نے کندھے اچکائے۔

اور وہ وہاں سے نکل آتے۔ اب ان کا رُخ گھم

کی طرف تھا :

"وہ بچی بہت پیاری ہے۔" فاروق بڑھ رہا۔

"اور تم نے اس پیاری بچی کو بلا وجہ گرا دیا۔" محمود نے

جھلک کر کہا۔

"بلا وجہ نہیں - وجہ سے گریا تھا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اوہ ہو ! میں مجھے گیا۔ تم نے تو مکمال کر ڈالا۔"

"دراصل تم صرف پھودھری سے سوالات کرنے میں مصروف

تھے، جب کہ میں بچی کی طرف۔ اس لیے یہ کام مجھے کرنا

پڑتا۔" فاروق نے کہا۔

اس وقت انھیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ وہ اس میں بیٹھ

لگے ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“

”آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں اُنی جان۔ وہ چیز جا سو سی ضرورت سے اڑاکی گئی ہے۔ آپ محمود سے، ہی پوچھ لیں۔“  
”جی ہاں! یہ تو خیر طحیک ہے۔ لیکن میں وہ دیکھے بغیر نہیں مانوں گا۔“

”تو یہ کون کہ رہا ہے کہ مان جاؤ۔“

”اچا بایا! یہ لو۔“ فاروق نے وہ چیز نکالنے کے لیے جیب میں لاخ ڈالا، اسی تحاک دروازے پر دستک ہوتی۔

## دھماکا

انپکٹر جمیش فراز ان کے ساتھ کاروں کے پلانٹ پر پہنچے۔ اس پلانٹ کا نام تھا ڈابا کارز۔ ان کی ملاقات سینکڑ میں بھر سے ہوتی ہے:

”ہمیں تو مestr ڈابا سے ملتا ہے۔“ انپکٹر جمیش نے اپنا تعارف کرنے کے بعد کہا۔

”بھی سے پہلے ممکن نہیں ہے جا ب، یکونکہ آج وہ گھر میں بھی نہیں ہیں۔“

”خیر! ہم بھی مل لیں گے، لیکن چند سوالات، ہم آپ سے بھی کرنا پسند کریں گے۔“

”لیکن کس سلسلے میں؟ اس نے اُبھن کے عالم میں کہا۔“

”آپ کا نام؟“

”صابر گریبی۔“ اس نے بتایا۔

”تو مestr صابر گریبی۔ ہم ایک کار کو رنگ کرانا چاہتے

ہیں۔ رنگ بدلوا کر کرائیں تو کتنی دیر لگ جاتے گی؟

”ہم پر اپنی کاروں کو رنگ نہیں کرتے جناب۔“

”بالکل نہیں کرتے یا عام طور پر نہیں کرتے۔“

”عام طور پر نہیں کرتے۔ ہاں! کوئی خاص کیس آجائے تو اور بات ہے۔“

”چیلے یہی بتا دیں۔ کہ کوئی خاص کیس آجائے تو آپ کتنی دیر ملکاتے ہیں؟“

”قریباً آٹھ گھنٹے تو پھر بھی لگ جاتے ہیں۔“

”بہت خوب! شکریہ! یہاں کام دن رات ہوتا ہے۔“

”ہاں جناب!“

”انیں تاریخ کی رات کو ایک زرد کار پر نیلا پینٹ کیا گیا ہے وہ بولے۔“

”میرے علم میں نہیں۔ میں انیں تاریخ کو رات کی ڈیوٹی پر نہیں تھا۔“ اس نے کہا۔

”اس روز ڈیوٹی پر کون تھے اور ہم ان سے کام مل سکتے ہیں؟“

”ان کی ڈیوٹی اب شروع ہونے ہی والی ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔ مسٹر حماد خان۔“ اس نے کہا۔

”خیر! ہم انتظار کیے لیتے ہیں۔ اس قسم کا خاص

کیس آپ لوگ اپنی مرضی سے کر سکتے ہیں یا اس کے لیے  
ڈبایا صاحب سے اجازت لینا پڑتی ہے؟“  
”اجازت لے کر۔ اس نے کہا۔

پسند رہ منٹ بعد ایک دُبلا پتلہ آدمی اندر داخل ہوا:  
”یجھے۔ حماد خان آگئے۔ میں تو چلا، اب آپ  
لوگ باقی باتیں ان سے معلوم کریں۔“  
”کیا مطلب - یہ کون لوگ ہیں؟“  
”ان پکٹر جمیش اور ان کی بچی۔ فزادہ۔“  
”نن - نہیں۔“ وہ مجھرا گیا۔

”کیا مطلب - ہم سمجھے نہیں، آپ کیا کہا چاہتے ہیں؟“  
”آپ - آپ لوگ جھلایا ہاں کیسے ہو سکتے ہیں۔“  
اس نے گٹا بڑا کر کہا۔

”یکوں - کیا، ہمیں اس وقت کہیں اور ہونا چاہیے۔ ان پکٹر جمیش کے بچے میں چرت تھی۔“

”یہ بات نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ آپ لوگوں کا یہاں کیا کام؟“

”شاید آپ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں؟“

”نج - جی - جی ہاں! اس نے شرم کر کہا۔

”مسٹر حماد خان - انیں تاریخ کی رات کو آپ ڈیوٹی

پر تھے؟

" بالکل تھا۔"

" ایک زرد رنگ کی کار اس دن رنگ کی گئی تھی - نیلا رنگ کرنا تھا اس پر۔"

" ہاں جناب بالکل۔"

" کار کے مالک نے آپ سے رابطہ کیا تھا یا کسی اور نے پوچھوں نے پوچھا۔"

" مجھے تو میر ڈاپا نے فون پر ہدایات دی تھیں۔"

" گویا کار کے مالک نے براہ راست ڈاپا صاحب سے بات کی تھی۔"

" جی ہاں : یہی بات ہے۔"

" اچھی بات ہے - آپ ان کے گھر کا پتا لکھوا دیں۔"

" وہ اس وقت تو آپ سے ملاقات کریں گے نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

" یکوں نہیں کریں گے - وجہ؟"

" وجہ یہ ہے کہ یہ ان کے آرام کا وقت ہے۔"

" یہ ہمارے بھی آرام کا وقت ہے۔" انپکٹر جیش مکرا تے۔

" تو جا کر کوشش کر لیجیے۔"

" شکریہ؟ انہوں نے کہا۔"

وہ ڈاپا کے بنگلے پر پہنچے - بنگلہ کیا تھا ، محل تھا۔ اس قدر شان و شوکت والے محل ان کے شہر میں کم ہی ہوں گے - ملک کا صدر بھی اس قدر شان دار جگہ میں نہیں رہتا تھا - دروازے پر آٹھ بُراؤ دی پہرے دار چوکس کھڑے تھے - ان کی کار ڈکی تو وہ چونک آٹھے۔

دونوں کار سے اُتر کر ان کے نزدیک پہنچے :

" یہ میرا کار ڈھنڈے ہے - میر ڈاپا تک پہنچا دیں۔"

" وہ آرام کر رہے ہیں - صحیح نوبجے سے پہلے کار ڈھنڈے تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔" ایک نے کہا۔

" ہمیں ان سے بہت ضروری کام ہے۔"

" ہو گا - یہ وقت نہیں ہے ملنے کا۔"

" ہمیں افسوس ہے۔" انپکٹر جیش مکرا تے۔

" کس بات پر افسوس ہے نہیں آپ کو؟"

" اس بات پر کہ ہم ملے بغیر نہیں جائیں گے۔"

" تو پھر ایک طرف بیٹھ کر صحیح سماں انتظار کر لیں۔"

" نہیں کوئی اعتراض نہیں۔" ایک نے کہا۔

" ہم اس کے بھی عادی نہیں ہیں۔" ملاقات ابھی اور

اسی وقت ہو گی - آپ فوری طور پر انھیں جھکا دیں، ورنہ

زلزلہ آجائے گا یہاں۔"

"تم نے سنا نہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن، ہمارے ہاتھوں میں بھی تو رائفلیں ہیں۔"

"ہاں! ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ کسی ایک رانقل سے ایک گولی نکلے۔ دونوں پستوں سے چار چار گولیاں نکلیں گی۔ اور آٹھوں رائفلیں نیچے گری نظر آئیں گی۔ اگر یقین نہیں تو تجربہ کر لیں۔"

"کر دو انھیں ڈھیر۔ مستر ڈایا خود ہی دیکھ لیں گے۔"

ان میں سے ایک نے کہا۔

ساتھ ہی آٹھ فائر ہوئے اور رائفلیں زمین پر پڑی نظر آئیں۔ ان میں سے ایک بھی زخمی نہیں ہوا تھا۔

"دیکھا تم نے۔ ایک خراش تک نہیں آئی۔ تم میں سے کسی کو۔"

"ہاں! دیکھ پکے ہیں۔ ابھی ڈایا صاحب کے ٹونکوار کتے

بھی اندر موجود ہیں۔ ان کا کیا کریں گے آپ؟"

"گھتوں کے ساتھ گھتوں جیسا اور انسانوں کے ساتھ انسانوں

بھی۔ آپ فکر نہ کریں۔ کتنے آپ سے کوئی ٹکلنا نہیں کریں

گے۔ آپ لوگ ایک طرف ہست جائیں۔"

"ہم ہست جاتے ہیں، لیکن اتنا سوچ لیں۔ اندر آپ کی زندگیاں ہرگز ہرگز محفوظ نہیں ہیں۔"

"کیا بات کرتے ہیں۔" دوسرا غرایا۔

"سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا ہے؟" انپکٹر جمیں سرد آواز میں بولے۔

ذجنے ان کی آواز میں کیا تھا۔ پھرے دار سہم گئے۔

"ن۔ نہیں جناب۔ یہاں نوکری کا سوال ہے۔ ہم یہ کام کر، ہی نہیں سکتے۔ ہمیں اڑڈ ہی نہیں ہے، فون کا رسید بھی اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے۔"

"ایسے میں اگر ان کے کسی عنیز کے فوت ہونے کی اطلاع آتے تو وہ کس طرح سُسیں گے؟" انپکٹر جمیں نے جھلک کر کہا۔

"یہ ہم نے نہ ان سے آج تک پوچھا۔ نہ انھوں نے آج تک اس بارے میں کوئی ہدایات دی۔"

"تم لوگ یوں نہیں مانو گے؟" یہ کر انپکٹر جمیں نے جیب سے پستول نکال لیا، ساتھ ہی فرزانہ کا ہاتھ بھی حرکت میں آیا:

"ہاتھ اور پر اٹھا دو۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" ایک پھرے دار نے جران ہو کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔ سوچ لیں گے اندر جاتے ہوتے۔ فزاد  
القلیں اٹھا کر اندر پھینک دو۔“

”اور واپسی پر کیا کریں گے؟ ایک پھرے دار نے  
طنزیہ انداز میں کہا۔

”کیوں؟ واپسی پر کیا ہے؟“

”ہم لوگ باہر سے دروازہ بند کر چکے ہوں گے۔“

”وہ تم اپنے ہاتھ سے کھولو گے۔“  
”اول تو آپ لوگ زندہ سلامت آئیں گے ہی نہیں۔“  
”خیر کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں ہماری روحیں  
تم لوگوں سے دروازہ کھلوائیں گی۔“

یہ کہ کہ وہ اندر داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی  
اخنوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ عین اُس  
وقت اخنوں نے غراہٹ کی آواز سنی۔ اندر روشنی  
تھی۔ اس روشنی میں اخنوں نے دو بڑے گتوں  
کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ گویا ہوا میں تیرتے  
ہوئے آ رہے تھے۔ اس قدر بھی پھلانگیں تھیں  
ان کی۔ دونوں نے فوراً ہی فائزہ جھونک دیے۔  
گتوں کی ہوناک آوازیں گونج اٹھیں۔ وہ راستے  
میں ہی گر گئے۔ لیکن فوراً ہی پھر غراہمیں سنائی

دیں اور چار کٹتے دائیں طرف سے آتے نظر آئے۔  
دونوں نے دو دو فائز کیے۔ وہ بھی ڈھیر ہو گئے۔  
مرنے سے پہلے ان کی چیزوں نے پورا محل سر پر  
ٹھاکیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑے مزید گتوں کا  
انتظار کرتے رہے، لیکن اب کسی کٹتے کے آثار  
نظر نہ آئے۔ آخر آگے بڑھے۔ جو ہی محل کے پہلے  
برامدے کے پاس پہنچے۔ ایک سیاہ فام انسان کھڑا  
نظر آیا۔ رات کی روشنی میں وہ رات کا ایک حصہ  
نظر آ رہا تھا۔ صرف اس کے سفید دانوں کی  
چمک یہ بتا رہی تھی کہ ان کے سامنے رات کی  
تاریکی نہیں۔ ایک زندہ آدمی کھڑا ہے۔ پھر وہ  
وحشائذ انداز میں مسکرا کر ایک اس کے ہاتھ میں ایک  
لبی ستووار تھی۔ دونوں نے پستول اس کی طرف  
تیار دیے، لیکن اس نے ان پر نظر بھی نہ  
ڈالی۔ اور ستووار لہراتا آگے بڑھا۔ دونوں نے بیک  
وقت اس پر فائز کیے، لیکن وہ ہنستا ہوا آگے  
بڑھا۔ وہ سمجھ گئے کہ اس کے جسم پر بلٹ پروف  
بلس ہے۔ وہ لمجہ ب لمجہ ان سے نزدیک ہو رہا تھا،  
آخر ان پکڑ جھیڈ بولے:

" فرزانہ ! تم ایک طرف ہو جاؤ ۔ میں تنہا اس کا مقابلہ کروں گا ۔ " جی بہتر ।"

فرزانہ ایک طرف ہٹ گئی ۔ انپکٹر جمیڈ اس کے بالکل نزدیک آنے کا انتظار کرتے رہے ۔ پھر جو نہ وہ اس کی تلوار کی زد میں آتے ۔ انھوں نے بلا کی پھرتنی سے پینٹرا بدلا ۔ تلوار فرش پر لگی ۔ فرش پر لگ کر اپنی ، ادھر انپکٹر جمیڈ نے اچھل کر اس کے سر پر اپنے سر کی ٹکر ریس کر دی ۔ اس کے منہ سے ایک پیچنگ نکل گئی اور وہ دھڑکام سے گرا ۔ اب اس کی تلوار انپکٹر جمیڈ نے اٹھا لی ۔ اس کے سر پر ایک واد کیا ۔ یہاں تک کہ وہ ساکت ہو گیا ۔ اب چند لمحنے سے پہلے اس کے ہوش میں آنے کے امکانات نہیں تھے ۔

وہ آگے بڑھے ۔ اب میدان دور دور تک صاف تھا ۔ دوسرے برا آمدے میں پکھ لوگ سمجھے ہوئے کھڑے نظر آتے ۔ یہ تمام مُلازم تھے ۔ رُزائی بھڑانی کے لیے نہیں رکھے گئے تھے ۔

" آپ لوگوں کو ڈرنے ، مُجھرانے اور پریشان ہونے

کی ضرورت نہیں ۔ ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچایں گے ، لال ! ہمارے راستے میں جو آتے گا ۔ وہ ضرور عنز کی کھانے گا ۔ انپکٹر جمیڈ نے پُر سکون آواز میں کہا ۔

" جب کہ آپ لوگوں کو شاید منہ کی کھانے کا قطعاً کوئی شوق نہیں ہے ۔ یکوں ٹھیک ہے نا ۔ " فرزانہ نے جلدی جلدی کہا ۔

" لال ! ٹھیک ہے ۔ انھوں نے صرف سر ہلا دیے ، منہ سے پکھنا دو لے ۔

" صرف یہ بتا دو ۔ کہ ڈابا کا کمرہ کون سا ہے ؟ " انھوں نے انگلیاں اٹھا کر اشارہ دیا ۔ وہ آگے بڑھے اور اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا ۔ آخر تین منٹ بعد کسی نے تیز غصیدے لمحے میں کہا :

" کیا بات ہے ۔ یہ کون وحشی ہے ۔ کس نے جہات کی ہماری نیند خراب کرنے کی ۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ "

" آپ پہلے دروازہ کھولیں ۔ تاکہ معلوم ہو ۔ آپ زندہ نہیں چھوڑیں گے یا ، ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے ۔ " فرزانہ نے چلا کر کہا ۔

”کسی کے گھر میں داخل ہونے کا یہ کون سا قانونی طریقہ ہے۔ اور مگر ہمیں۔ میرے محافظوں نے تمہیں کیوں نہیں روکا۔ گتوں کو کیا ہوا؟“

”محافظ باہر آرام سے کھڑے ہیں اور گتوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔“ فرزانہ مسکرانی۔

”گتوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔“ کیا بات ہوئی؟“ وہ بولا۔

”بے چارے ابدي نیند سور ہے ہیں۔“

”کیا مطلب۔ تم نے انھیں ہلاک کر دیا ہے؟“ ”ہاں! اور کیا کرتے۔ ان کے ہاتھوں خود ہلاک ہو جاتے؟“ فرزانہ نے فرما کر۔

”بہت ترکیز بول رہی ہو تم۔ لیکن تم لوگوں کو عدالت میں جواب دہونا پڑے گا۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم جواب دے دیں گے،“ ہمارا کام ہے۔ انپکٹر جمیش نے منہ بنایا۔

”میں پہلے پولیس کو فون کروں گا اور پھر اپنے دکیل کو اس نے کہا۔

”جلدی سے یہ دونوں کام کر لیں۔ پھر ہمیں اپنی آمد کا مقصد بھی بتانا ہے۔“

”کیا مطلب۔ یہ آواز تو کسی لڑکی کی ہے۔ ایک لڑکی اور ہمیں دھمکی دے۔ ہمیں۔ کہیں یہ خواب تو نہیں ہے؟“

”بھی نہیں۔ یہ خواب نہیں ہے۔“ خواب پہلے تھا۔ فرزانہ مسکرانی۔

”ہم دروازہ کھول رہے ہیں۔ دروازہ کھول کر ہم دیکھیں گے کہ تم کون ہو۔“

اس کے بعد چند سینکڑ گزرنے پر دروازہ کھل گیا اور ایک شخص شاہزاد سلیپنگ سوت میں نظر آیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا اثر تھا۔ آنکھیں باہر کو ابھری ہوئی تھیں، ان میں حد درجے غصہ بھی تھا۔

”کون ہو تم لوگ؟“

”مجھے انپکٹر جمیش کہتے ہیں، یہ فرزانہ ہیں۔“

”کیا مطلب۔ قانون کے ایک محافظ نے آج خود، ہمیں قانون کو توڑھروڑ کر رکھ دیا۔“

”ہرگز نہیں۔ میں قانون ہرگز نہیں توڑتا۔“ انپکٹر جمیش نے پر سکون انداز میں کہا۔

”بالکل! ہم تو قانون توڑنے والوں کو توڑتے ہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

"مجھے سُننے کی خروجت نہیں۔"

"اگر ہم اندر زبردستی آ سکتے ہیں تو وجہ بھی سنوا سکتے ہیں۔ معاملہ قتل کا ہے۔  
کیا کہا۔ قتل؟"

وہ بُری طرح اچھلا۔ ساتھ ہی باہر ایک دھماکے کی آواز سُنائی دی۔

## حملہ

" یہ۔ اس وقت کون آ گی؟" محمود بڑھ رہا۔

" آنے کا کیا ہے، کسی وقت بھی کوئی آ سکتا ہے۔ فاروق  
مسکرا�ا اور خالی ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔

" یہ کیا۔ تم نے وہ چیز تو نکالی، ہی نہیں؟"

" پہلے ملاقاتی کو تو نکال لیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" یہ کیا بات ہوتی۔ ملاقاتی کو نکال لیں۔"

" میرا مطلب ہے۔ پہلے اس سے تو مل لیں۔ ایک  
منٹ، میں ابھی آیا۔" یہ کہ کر فاروق تیزی سے اپنے  
کمرے میں گیا اور واپس آ گی۔ محمود نے اسے گھوڑ کر  
دیکھا۔ اُسی وقت دروازے پر دشک دوبارہ ہوتی۔ وہ  
تیزی سے آگے بڑھا۔ بُونتی اس نے دروازہ کھولा۔ تڑ  
سے گرا۔ پانی کی ایک دھار سی اس کے منہ پر گری  
تھی اور وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسے گرتے دیکھ

کر فاروق چلایا :

"اے اے"

ساتھ میں وہ دروازے کی طرف دوڑا بھی، لیکن اس کا بھی یہی انجمام ہوا۔ پھر ایک نعاب پوش اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنا پھرہ رومال میں چھپا رکھا تھا۔ باقی جسم کو چھانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ وہ جھک کر ان دونوں کی تلاشی لینے لگا۔ یعنی اس وقت تیز گرم پانی کی ایک دھار اس کے جسم پر پڑی۔ وہ مجری طرح اچھلا اور بلبلہ اٹھا۔ لیکن دھار نے اس کا پیچھا پھر بھی نہ چھوڑا۔ اچانک وہ باہر نکل گیا۔ اور ساتھ میں دروازہ بند کر دیا۔

بیگم جمیش دوڑتی ہوئی دروازے تک آئیں اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اب انھوں نے دونوں کا جائزہ لیا۔ ان کے جنم گرم تھے۔ لیکن سر بالکل سرد تھے۔ غالباً یہ اس دھار کا اثر تھا۔

انھوں نے فوراً ڈاکٹر کو فون کیا۔ اکرام کو بھی فون کیا اور پھر بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگیں۔ کبھی کبھی وہ ان دونوں کو ہلا جلا کر بھی دیکھ لیتی تھیں۔ آخر ڈاکٹر نے

### لکھنی بجائی :

"دروازہ باہر سے بند ہے ڈاکٹر صاحب۔ کھول کر اندر آ جائیں۔ میں ایک طرف ہٹ رہی ہوں۔ آپ ان دونوں کو دیکھ لیں۔ ایک حملہ آور نے ان کے چہروں پر کوئی دھاردار چیز چھکلی تھی۔"

"اچا بہن۔ آپ ہٹ جائیں۔"

وہ باورچی خانے میں آ گئیں۔ دروازہ لکھا۔ ایک ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔ وہ ان دونوں پر جھک گیا۔ بپس وغیرہ دیکھنے لگا۔ ایسے میں بیگم جمیش نے چونک کر کہا:

"کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے ڈاکٹر صاحب؟"

"نہیں بہن۔ آپ نکر نہ کریں۔ یہ ابھی ہوش میں آ جائیں گے۔ میں ذرا باہر سے اپنا بیگ لے آؤں، بیگ میں گاڑی میں ری چھوڑ آیا، ہوں۔"

ڈاکٹر باہر نکل گیا۔ بیگم جمیش انتظار کرتی رہیں، لیکن وہ بوٹ کر نہ آیا۔

"ڈاکٹر صاحب۔ آپ کہاں رہ گئے؟ وہ چلا میں۔"

جواب نہ ملنے پر دوڑ کر دروازے پر آئیں اور دھک سے رہ گئیں۔ ایک بار پھر دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس وقت دشک پھر آئی:

111

"وہ کیا چاہتا تھا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"پیتا نہیں، کیا چکر ہے۔ دونوں ہوش میں آ کر ہی وفا  
کر سکتے ہیں۔ ویسے یہ ابھی ابھی لگھ آتے تھے۔"

"انپکٹر جمیل اور فرزانہ کماں ہیں؟"

"لگئے ایک ساتھ تھے۔ یہ بھی بھی بتائیں گے۔  
اُسی وقت لگھنی بجی۔

"یہ سب انپکٹر اکرام ہیں، دروازہ کھول دیں"

اکرام اندر داخل ہوا، اس نے پریشان نظروں سے  
ان دونوں کو دیکھا:

"کیا معاملہ ہے بھائی؟"

اخنوں نے جلدی جلدی ساری بات دہرا دی۔ اُسی  
وقت محمود نے آنکھیں کھول دیں:

"مم۔ میں کماں ہوں؟"

"اپنے لگھ میں" ڈاکٹر صاحب نے فروٹ کہا۔

"اوہ! ڈاکٹر صاحب آپ ہیں؟"

"ہاں! میں ہی نہیں۔ یہاں سب انپکٹر اکرام بھی ہیں۔"

"اور اور اتنی جان۔ کیا وہ بھی بے ہوش ہیں؟"

"نہیں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اُسی وقت فاروق نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

"لگ۔ کون؟" اخنوں نے لگھرا کر کہا۔

"ڈاکٹر فاضلہ"

"اوہ۔ اب آپ آتے ہیں۔"

"مجھے اخoso ہے۔ ذرا دیر ہو گئی۔ ادھر بھی ایک  
ہنگامی معاملہ در پیش تھا۔"

"میرا۔ مطلب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے آپ نہیں آئے  
تھے؟ وہ بولیں۔"

"من۔ نہیں تو" ڈاکٹر صاحب نے لگھرا کر کہا۔

"دروازہ باہر سے بند ہے۔ کھول کر آ جائیں۔ میں  
یچھے ہٹ جاتی ہوں۔"

"شکریہ! وہ بولے۔"

اندر آ کر اخنوں نے جلدی جلدی دونوں کا معافہ  
کیا۔ ایک ایک انگکش دیا اور پھر بولے:

"چند منٹ تک ہوش میں آ جائیں گے۔ دماغ کو  
سُن کرنے والی کوئی مانع گیس استعمال کی گئی ہے۔"

"اوہ اچھا۔" اخنوں نے سکون کا سامنہ لیا۔

"تھوڑی دیر پہلے کیا میرے روپ میں کوئی اور آیا تھا؟"

"ہاں! جب اس نے بہن کا تو میں چونک اٹھی۔  
اس وقت میں نے محسوس کیا کہ آواز تو آپ کی نہیں ہے۔"

"ہائیں۔ یہ کیا۔ کیا میں نئے میں ہوں۔ لگ۔ یکوں کہ سارا مگر گھوم رہا ہے؟"

"آنکھیں بند کر لیں فاروق۔ آپ پر ابھی اثر ہے۔" "جی۔ کس چیز کا اثر۔ یہ آواز تو ڈاکٹر صاحب کی ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں! پہنچ منٹ اور سوالات نہ کریں۔ دماغ ٹھکانے آنے دیں۔"

آخر وہ بات پھیت کے قابل ہو گئے۔ اس وقت فاروق فوراً اپنا ہاتھ جیب میں لے گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ظاہر ہو گئے:

"محمود۔ وہ نقلی ڈاکٹر میری جیب پر ہاتھ صاف کر گیا۔" "بہت بد تینیز تھا۔ اسے اپنا رومال لے کر آنا چاہیے تھا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اوہ۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔" "کوشش تم کرو۔ سمجھ میں یہتا ہوں۔" محمود بولا۔" یہ۔ یہ تم بول رہے ہو محمد۔ یا میں؟ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہم دونوں ہی بول رہے ہیں۔" "دھست تیرے کی۔" فاروق نے جھلا کر اپنی ران پر

ہاتھ مارا۔

"ہائیں کیا کہا۔ وہ تمہاری جیب پر ہاتھ صاف کر گیا۔ محمود زور سے اچھلا۔"

"لیجھے۔ یہ اب سمجھے ہیں۔ حالانکہ میں نے کوئی کوشش نہیں کی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا دماغ بوچل تھا۔ یہ بہت بُرا ہوا۔" محمود بڑا بڑا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں نے اس کو کھوں کر دیکھ لیا تھا۔"

"لگ۔ کس چیز کو؟" "فاروق نے ایک شخص کے گھر میں۔ اس کی بچی کے ہاتھ سے ایک چیز الائی تھی۔ جملہ اور حضرات، ہم سے وہ چیز واپس یعنے آئے تھے۔ تاکہ وہ ثبوت ہم اس کے خلاف حاصل نہ کر سکیں۔"

"وہ کیا چیز تھی؟"

"ایک پین۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"پین۔ کیا مطلب؟" اکرام زور سے پوچنے کا۔

"آپ کو کیا ہوا؟" ڈاکٹر نے جیران، تو کر پوچھا۔

"وہ۔ وہ۔ اس پین میں نب موجود تھی؟"

"یہی دیکھنے کے لیے تو فاروق جیب سے پین نکال رہا تھا۔ اسی وقت دستک ہوئی تھی۔ اور پھر جب

دروازہ کھولا گیا تو بے ہوش کرنے والی دھاروں نے  
ہمارا استقبال کر ڈالا۔ لیکن ہم اب یہاں نہیں ٹھہریں  
گے۔ جو اپنی حمدہ کریں گے۔ انکل اکرام اور ڈاکٹر صاحب  
آپ جائیں۔

”اچھی بات۔ تفصیلات ضرور سنا دیں۔ میں بے تاب  
رہوں گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”لے تاب رہنے سے یہ کیسی بہتر ہے کہ آپ  
بے چین رہ لیں۔“  
”لگک۔ کیوں۔ اس میں کیا فرق ہے؟“ ڈاکٹر نے  
حیران ہو کر پوچھا۔

”بہت فرق ہے۔ نیز یہ فرق، ہم پھر کسی وقت واضح  
کریں گے۔“

اسی وقت محمود اور فاروق پھودھری کے گھر  
پہنچے۔ دشک کے جواب میں دروازہ کھلا اور وہی بچی  
نظر آئی۔ وہ زور سے چونکی۔ اس کے ہاتھ میں ایسا  
ہی ایک بین تھا۔ انھیں دیکھتے ہی وہ بولی:

”آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں۔ یہ دیکھیے۔ وہ  
یہ پین مجھے نہیں دیتے تھے۔ لیکن اب میں نے ان  
سے پین لے لیا ہے تو انھوں نے مجھے کچھ بھی

نہیں کہا۔

”آپ نے یہ پین کہاں سے لیا ہے؟“ محمود نے مکرا  
کر پوچھا۔

”ان کی بیب میں سے۔“

”اوہ اچھا۔ ذرا دکھائیں۔“

بچی نے قلم اس کی طرف بڑھا دیا۔ محمود نے پین  
کھول کر دیکھا۔ اس میں نب موجود تھی۔ اور یہ قلم اس  
نب والا نہیں تھا۔ اس میں اور قسم کی نب تھی۔  
”شکریہ۔ یہ لیں اپنا پین۔ اور ابو کو بتائیں۔ ہم  
اکتے ہیں۔“

”وہ سور ہے ہیں۔“

”تو نہ بانی فرم ا کر جگا دیں۔“

”ن۔ نہیں۔ میں جب کبھی انھیں جگا دیتی ہوں نا۔  
وہ بہت ناراض ہوتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔ ہم خود جگا لیتے ہیں۔“ محمود نے مکرا  
کر کہا۔

”آپ جگائیں گے انھیں۔ بھی واہ، بڑا مزا آئے گا،  
لیکن آپ انھیں نہیں جگا سکیں گے۔ ان کی نیند بہت زیادہ  
گھری ہے۔ جب سوتے ہیں تو یوں لگتا ہے۔ کہ انھیں

گے ہی نہیں۔

”ٹھیک ہے۔ ہم خود جگایتے ہیں۔“

دونوں اس کے ساتھ اندر داخل ہوتے۔ لگر پر موت کا سٹاٹھاری تھا۔ یوں لگتا تھا بھی اس پنجی کے سوا لگر میں اور کوئی نہ ہو۔

”کہاں، میں بیٹھ آپ کے ابو۔ کیا لگر میں اور کوئی نہیں ہے؟“

”نہیں بس۔ میں اور ابو ہی رہتے ہیں۔ اُمی تو میری بہت مدت پہلے فوت ہو چکی ہیں۔“

”اوہ۔ اور کوئی ملازم؟“

”ابو ملازم رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا کھانا، ہوٹل سے آ جاتا ہے۔ ناشتا بھی۔“

”ہوں۔ پلیے۔ اپنے ابو کے کمرے میں۔“

وہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ یہاں تک کہ ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔ انھوں نے دیکھا۔ پھودھری کمرے کے فرش پر لیٹا تھا۔

”لگ۔ کیا۔ اسی طرح فرش پر سوتے ہیں؟“

”آج ہی ایسا ہوا ہے آج سے پہلے تو اس طرح نہیں سوتے۔“

”اُف مالک۔ محمود نے لرزتی آواز میں کہا۔“

”ہمیں اس کی ایک فی صد بھی امید نہیں تھی۔“

”کیا بات ہے۔ کیا ہوا ہے؟ پنجی نے ان کی طرف دیکھا۔“

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

عین اُس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ دونوں زور

سے آچلے۔

## سامنا

" یہ دھماکا کیسا تھا؟"  
" پتا نہیں ۔ ویسے یہاں اس وقت ایک نہیں ۔ دو دھماکے  
ہوتے تھے ۔ فرزانہ مُسکرائی ۔  
کیا مطلب ہے؟"

" مطلب یہ کہ ۔ ایک دھماکا گھر سے باہر ہوا ، ایک  
اندر ۔ یہ بات بھی تو آپ کے لیے کسی دھماکے سے  
کم نہیں کہ ہم کسی قتل کے سلسلے میں آپ کے پاس  
آئے ہیں ۔"

عین اُسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور  
دو ملازم اندر داخل ہوتے ۔

" محل پر کسی نے بم مارا ہے جناب ۔ پھرے داروں  
میں سے غالباً دو تین مارے گئے ہیں ۔"  
" اوہ ! یہ میں کیا سن رہا ہوں ۔ ریحان ڈبایا چلایا ۔

" اب تو ہمیں بھی باہر نکل کر دیکھنا پڑے گا ۔ اُنپکٹر  
جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا ۔

" میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں ۔" ریحان ڈبایا  
نے کہا ۔

" نہیں ! آپ یہیں ٹھہریں ۔ فرزانہ تم ان کے پاس  
ٹھہر دیں گی ۔"  
" جی بہت بہتر ۔"

" کیوں کیوں ۔ میرے پاس کیوں ؟ اس نے گڑ بڑا  
کر کہا ۔

" آپ کی حفاظت کے لیے ۔ وہ مسکراتے ۔

" یہ پچھی ، میری حفاظت کرے گی کیا ؟ اس نے مذاق  
اڑانے والے انداز میں کہا ۔

" ہاں ! کیوں نہیں ۔ آپ اسے کیا سمجھتے ہیں ؟  
" ایک چھوٹی سی کمزور پچھی ۔

" کوئی بات نہیں ، سمجھنے دیں ۔" فرزانہ مسکرانی ۔

انپکٹر جمشید دونوں پھرے داروں کے ساتھ باہر نکل گئے ،  
 محل کے عین دروازے پر بم مارا گیا تھا ۔ دو پھرے دار  
مردہ پڑتے تھے اور باقی زخمی تھے ۔ جو زخمی نہیں ہوتے  
تھے ، وہ اندر سے انھیں لے کر آتے تھے ۔

"ابھی تک ہسپتال فون تو نہیں کیا گیا ہو گا؟"

"جی بس۔ پہلے ہم اندر دوڑ گئے تھے۔"

انپکٹر جشید نے اکرام کو اور ایمبولینس کے لیے فون کیا، پھر اور گرد کا جائزہ لینے لگے:

"بم پھیلنے والے کی جھلک دھائی دی تھی؟ وہ بولے۔"

"جی نہیں۔ ایک کار البتہ اس طرف سے گزدی تھی، بُونی وہ نظروں سے اوچبل ہوئی۔ دھماکا ہو گیا۔ غالباً بم پھینکنے والا کار میں تھا اور اس نے بم کو پھینکا نہیں، لڑھکایا ہے۔"

"کار کا رنگ بتا سکتے ہیں آپ؟"

"نیلا تھا غالباً۔ رات کے وقت رنگ صاف نظر نہیں آ سکا۔" اس نے کہا۔

انھوں نے زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد دینا شروع کر دی۔ ان کی کار میں فٹ ایڈ بکس موجود رہتا تھا۔ یہ بم پھینکنے کی کارروائی ان کی سمجھے میں نہیں آئی تھی۔ آخر اکرام اور ایمبولینسوں کے آنے کے بعد وہ پھر اندر داخل ہوئے اور بولے:

"ڈاپا صاحب! ہم تو آئے تھے آپ سے چند ضروری سوالات کرنے۔ درمیان میں ہو گیا دھماکا، لہذا پہلے تو

آپ یہ بتائیں کہ آپ کا کوئی دشمن ہے؟"

"دشمن تو میرے آن گفت ہوں گے۔ کار و باری دُنیا میں بھی اور کار و باری معاملات سے باہر بھی میرے بہت سے دشمن موجود ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تب تو یہ حرکت ان میں سے کسی کی ہو سکتی ہے۔"

"میں کیا کہ سکتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"خیر۔ اس پر ہم پھر خود کریں گے۔ پہلے آپ بتائیں، آپ کے پلانٹ میں ایک زرد رنگ کی کار پر نیلا رنگ کیا گیا تھا۔ اس کے نام تھوڑا آنود تھے۔ ان کو دھویا گیا، آپ نے پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی کہ اس قسم کی ایک کار رنگ ہونے کے لیے لائی گئی ہے؟"

"یہ بتائیں مجھے بالکل معلوم نہیں۔"

"آپ بالکل غلط کہتے ہیں۔" انپکٹر جشید مسکانتے۔

"کیا مطلب؟ وہ پھونکنا۔"

"ہم یہ بات پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں۔ آپ کے پلانٹ میں عام طور پر پیرانی کاروں کو رنگ نہیں کیا جاتا۔ کوئی خصوصی نوعیت کا کیس ہو تو آپ کی اجازت سے یہ کام کیا جاتا ہے۔ لہذا آپ یہ نہیں کر سکتے کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں۔"

" مجھ سے صرف یہ اجازت لی گئی تھی کہ ایک کار  
کو رنگ کرنا ہے ۔ اور خصوصی نویعت کا کیس ہے ۔ لہذا  
میں نے اجازت دے دی ۔ باقی مجھے کچھ معلوم نہیں:  
اس نے جلدی جلدی کہا ۔

" آپ سے کس نے کہا تھا کہ زرد رنگ کی کار کو  
رنگ کرنا ہے ؟ ۔

" میخرا حماد خان نے ۔  
اور خصوصی نویعت کیا بتائی تھی اس نے ؟ ۔ انپکٹر  
جمشید مسکرائے ۔

" یہ کہ وہ میرے کسی دوست کی کار ہے ۔  
بہت خوب ! مسٹر حماد خان نے دوست کا نام کیا  
بتایا تھا ؟ ۔

" نام نہیں بتایا ۔ نہ میں نے پوچھا ۔ بس اس نے  
فارم میرے سامنے رکھ دیا کہ یہ آپ کے ایک دوست  
کی کار ہے ۔ اس پر رنگ کرنا ہے ۔ اور بس ، میں نے  
دھنک کر دیے ۔

" ہوں ! تو آپ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کس دوست  
کی کار ہے ؟  
نہیں ۔ ذمہجے اب تک معلوم ہوا کہ وہ کار کس کی

تھی ۔ میں نے پوچھا ہی نہیں ۔"

" آپ کسی جاوید بوجی کو جانتے ہیں ؟ ۔

" جاوید بوجی ۔ نہیں تو ۔ اس کے لئے میں حیرت تھی ۔

" تو پھر کار تو اسی نام کے شخص کی تھی ۔ اور آپ  
اس نام کے آدمی کو جانتے تک نہیں ۔ گویا آپ کے  
میخرا حماد خان نے جھوٹ بولा تھا ۔ اس نے جھوٹ کیوں  
بولتا تھا ۔ یہ ہم اس سے ابھی جا کر پوچھیں گے ، کیا آپ

ہمارے ساتھ چلتا پسند کریں گے ؟ ۔

" ضرور ! میں خود اس قسم کی باتوں کے سخت خلاف  
ہوں ۔" اس نے کہا ۔

" شکریہ ! چلیے پھر ۔

وہ اسی وقت پلانٹ میں پہنچے ۔ حماد خان کو ریحان  
ڈالا نے اپنے دفتر میں بلوا لیا ۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا  
۔ " حماد خان ! تم نے بتایا تھا کہ زرد کار بوجی کا ہے  
کے لیے آتی ہے ، میرے کسی دوست کی ہے ۔"

" نج - جی ہاں ! میں نے ایسا کہا تھا ۔"

" وہ میرے کس دوست کی تھی ؟ ریحان ڈالا نے  
چھلا کر کہا ۔

" وہ دراصل آپ کے نہیں ، میرے دوست کی تھی ،

لیکن اگر میں آپ سے کہتا کہ میرے دوست کی کارہے تو  
آپ فردًا انکار کر دیتے۔

”اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا۔  
اب میں کیا کھوں۔ ایک طرف دوست تھا۔ دُوسری  
طرف آپ۔ آخر دوستی بحیث گئی۔“

”تو پھر میں تمھیں ابھی اور اسی وقت ملازمت سے نکالتا  
ہوں۔ ریحان ڈالانے غصے میں آ کر کھا۔

”یہ۔ یہ ظلم نہ کریں۔ میرے پھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔“  
”چھوٹے بچوں کے متعلق تم نے اس وقت کیوں نہ سوچا  
جب وہ غلط کام کر رہے تھے؟“

”محض پر رحم کریں۔ آیندہ ایسی کوئی غلطی نہیں کروں گا۔“  
”نہیں بھی۔ یہ میرے اُصولوں کے خلاف ہے۔  
اپنا بوریا بستر سیٹو اور اسی وقت نیکل جاؤ۔“

”ایک منٹ۔ یہ ابھی نہیں جا سکتے۔“ اپنکٹر جمیش بولے۔  
”اوہ ہاں! ابھی تو تمہیں قانون کا سامنا بھی کرنا ہے۔  
ریحان ڈالا بول آٹھا۔

”کیا مطلب؟“  
”زندگانی جو یہاں لائی گئی۔ اس کے مثارِ خون آؤ دتھے،  
لیکن آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔“

”میرے دوست نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی کارہے تو  
پچے کتنا آگئی تھا۔“ جماد خان بولا۔

”تو جاوید جوگی آپ کا دوست ہے۔ اس قدر گمرا دوست  
کہ آپ نے اپنے بچوں کی پروا نیں کی۔“

”ہاں! وہ میرا اسی قسم کا دوست ہے۔“

”لیکن جناب! میری اطلاعات کے مطابق تو کار رضا سیلم  
بیگ نے کہ آیا تھا اور چودھری درکش پ والا بھی ساتھ  
تھا، تب کار کو رنگ کیا گی تھا۔“  
”تینوں آئئے تھے، لیکن ان میں میرا دوست جاوید  
جوگی ہے۔“

”شکریہ جناب! اس کہانی میں لوگ یا تو جھوٹ پر جھوٹ  
بول رہے ہیں یا پھر بسی پچے ہیں اور ہم بے وقوف ہیں۔“  
انپکٹر جمیش نے بُرا سامنہ بنایا۔  
”جی کیا مطلب؟“

”پچھے نہیں۔ مطر ریحان ڈالا، میں آپ سے ایک درخوا  
کرتا ہوں، آپ ابھی انھیں ملازمت سے نکالیں۔ پہلے  
ہم اس کیس کو حل کر لیں۔ ان کے بارے میں بعد  
میں سوچیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ آپ کہتے ہیں تو ایسا ہی کر لیتے ہیں۔“

انپکٹر جمیش اور فرزانہ وہاں سے نکل کر نیدھے رفنا  
سیلم بیگ کے ہاں آئے۔ وہ سو رہا تھا۔ اسے بھی جھکانا  
پڑا۔ اس نے ناخوش گوار بجھے میں کہا:  
”خیر تو ہے جناب؟“

”آپ نے بتایا تھا کہ کار کو زنگ ریحان ڈابا کار ز پلانٹ  
سے کرایا گیا تھا۔ ہم نے معلومات حاصل کی ہیں، وہاں  
ہام طور پر یہ کام نہیں ہوتا۔ ہاں! خاص آدمیوں کا  
یہ کام وہ کر دیتے ہیں۔ کیا آپ ریحان ڈابا کے لیے  
خاص آدمی تھے؟“  
”نہیں۔ اس سلسلے میں بھی جاوید جوگی کام آیا تھا۔  
اس کا دوست وہاں مینجر ہے۔“

”ہوں! یہ بات آپ نے پہلے نہیں بتائی۔“  
”آپ نے یہ تفصیل پوچھی، ہی کب تھی۔ آپ تو ریحان ڈابا  
کا نام مُن کر، ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔“

”ہاں! یاد آگیا۔ شکریہ۔ لیکن آپ نے پھودھری کو  
ساتھ کیوں لیا؟“

”زنگ کے بارے میں میں اس سے مشورہ کر بیٹھا تھا،  
پھر جاوید جوگی کے مشورے سے اسے بھی ساتھ لے لیا  
گیا۔ وہ بولا۔“

”شکریہ! معاملہ کافی الجھ گیا ہے۔ اب سب سے بڑی  
الجھن یہ ہے کہ مقتول ہے کون؟ اور دوسرا بات میرے بیٹے  
نے کار جہاں دیکھی تھی۔ اس کوٹھی سے اس کا کی تعلق  
ہے۔ یہ دونوں باتیں اگر ہم معلوم کر لیتے ہیں تو قاتل  
ہماری مٹھی میں ہو گا۔ آؤ بھائی چلیں۔“

”لگ۔ کیا آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں؟“ وہ مکرانے۔  
”ابھی تو ہم سب پر شک کر رہے ہیں۔“ وہاں پہنچ کر انھیں  
نئے حالات کا علم ہوا۔ وہ اُسی وقت پھر گھر سے نکل آئے:  
”اس کا مطلب ہے۔ محمود اور فاروق بھی ہاتھ پر ہاتھ  
دکھ کر نہیں بیٹھے۔ کچھ کام کیا ہے انھوں نے بھی۔ انپکٹر  
جمیش مکرانے۔“

”محود تو ہے، ہی کام کا دھنی۔ فاروق بھی بس جھوٹ موت  
کا کام چور بنتا ہے۔ درنہ کام کے وقت وہ مجھ سے بھی  
آگے نظر آتا ہے۔“ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔  
”ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اب یہ کیس میں حل ہونے  
ہی والا ہے۔“

”لیکن ابا جان! ابھی تو نہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ مقتول  
کون ہے۔“

" یہ معلوم ہوتے کیا دیر لگے گی ۔ قتل کرنے والوں کو تو معلوم ہی ہے کہ وہ کون تھا ۔ " اور ہم یہ بھی نہیں جان سکے اب تک کہ اس بے چار کو قتل کیوں کیا گیا ۔ "

" ہاں ! یہ موٹی موٹی تین باتیں ہمیں معلوم کرنا ہیں ۔ " ان کی کار چودھری کے گھر کے سامنے جا کر ٹرک گئی، فرزان نے آگے بڑھ کر دستک دی ۔ جلد ہی قدموں کی آواز سنائی ۔ دروازہ فاروق نے کھولا :

" خیر تو ہے ۔ شکل پر اٹھائی کیوں بجھے ہیں ؟ " " وہ ۔ چودھری کو ۔ فاروق بولا ۔

" کیا ہوا چودھری کو ؟ "

" اسے قتل کر دیا ہے ۔ کسی نے ۔ " " کیا !! وہ ایک ساتھ بولے ۔

## پچھہ

وہ اندر داخل ہوئے، چودھری کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا : " اس کا مطلب ہے ۔ اس قتل کے بارے میں چودھری کو کچھ معلوم تھا اور قاتل نے جب محبوس کیا کہ اب ہم اس تک پہنچنے والے ہیں، اس نے اسے ختم کر دیا ۔ " انپرست جمیش نے بڑبڑا نے کے انداز میں کہا ۔

" ہاں ابا جان ! یہی بات ہے ۔ جب ہم اس سے ملنے کے لیے آتے تھے تو اس کی بچی ۔ اچانک باہر آگئی تھی ۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک پین تھا ۔ وہ پین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن چودھری نے اسے ڈانٹ کر اندر بیٹھ دیا ۔ اور ہم سے بات کرنے لگا ۔ اچانک ایک بار پھر بچی آئی اور پین کے بارے میں اس نے کچھ کہنا چاہا ۔ چودھری نے اسے پھر ڈانٹ دیا اور اندر جانے

کے لیے کہا۔ تو میں نے وہ پین اس کے ہاتھ سے اڑا  
لیا اور چودھری سے بات کرنے کے بعد گھر آگئے  
یکن گھر میں فوراً ہی، سم پر جملہ کیا گیا۔ اور پین والپس  
حاصل کر دیا گی۔"

"ہاں! ہم یہ حالات سن چکے ہیں۔ کاش تم اس  
پین کی حفاظت کرتے؟"

"مم۔ میں نے حفاظت کی ہے۔ فاروق نے کہا۔

"کیا خاک کی ہے۔ اس طرح کرتے ہیں حفاظت۔ فرزانہ  
نے آنکھیں نکالیں۔"

"تو پھر کس طرح کرتے ہیں؟" فاروق نے بھی اسے گھوڑا۔

"حفاظت تو تب سمجھی جاتی۔ جب حمد اور ناکام رہتے  
محمد نے طنزیہ انداز میں کہا۔"

"ہوں! تو پھر یہ لو وہ پین۔ اور وہ جو پین لے گی  
ہے۔ وہ دوسرے لے گیا ہے۔ میں نے گھر پہنچتے، ہی  
بدل دیا تھا۔"

"کیا!! وہ ایک ساتھ بولے۔ اور ان کے چہروں پر  
خوشی کی لہر دوڑ گئی۔"

"بہت خوب فاروق!"

"بہت خوب کہنے والوں میں محمد کی آواز اب بھی شامل

نہیں ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بہت خوب! محمود نے جلد کٹے انداز میں کہا۔"

"چلو میں اس جلد کٹے بہت خوب سے ہی گزارا  
کر دوں گا۔"

"حد ہو گئی۔ اصل بات ادھر ادھر ہوتی جاتی ہے۔  
تو پھر یہ لیں۔ یہ ہے وہ پین جو میں نے اس  
بچی کے ہاتھ سے اٹایا تھا۔"

انپکڑ جمیش نے پین لیا، ہی تھا کہ اکرام وہاں پہنچ گیا،  
اس نے اور اس کے ماتحتوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔  
"میں نے اب تک اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر اس  
لاوارث لاش کا اشتہار نہیں دیا۔ یہ کام بہت ضروری ہے،  
تاکہ صبح سے یہ کام شروع ہو جائے۔"

یہ کہ کر وہ فون کے پاس جم گئے:

"یہ پین تو رہ، ہی گی آیا جان۔"

"اسے ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" وہ بولے اور فون کا رسیور  
اٹھا کر بات چیت شروع کر دی۔ کئی منٹ تک فون پر  
م Schroff رہے، پھر ان کی طرف مڑے:

"اس کیس کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ فاروق نے  
کار اس کوٹھی میں کیوں دیکھی۔ کار وہاں کیوں کھڑی تھی۔"

لہذا ہمیں صحیح عامر غاذی کے دفتر بھی جانا ہو گا۔ ظاہر ہے،  
کہ اسے پر لینے والے ہی کار و مان کھڑی کر سکتے تھے۔  
”بانکل ٹھیک“

”ادے۔ ہم اس کو تو بھول ہی گئے۔ فاروق زور  
سے اچھلا۔

”کس کو۔ پین کو۔ نہیں تو، پین کو کب بھولے ہیں۔“  
فرزاد نے مگرا سامنے بنایا۔

”اوہ ہو! پین کو نہیں بھی۔ اس کو۔“ فاروق مسکرا یا۔

”اب یہ حضرت ہمیں تنگ کرنے کے چکر میں ہیں، لیکن  
بھلا ان باتوں سے ہم تنگ آ سکتے ہیں۔“

”لہاں اور کیا۔ تھیں تنگ کرنے کے لیے تو خاص قسم کی،  
بڑی بڑی بائیں کیں سے لافی چاہیں۔“

”تو بتاؤ نا بھی۔ ہم کس چیز کو بھول رہے ہیں؟“ انپکٹر  
جشید نے منہ بنایا۔

”بب۔ بچے کو۔ اصل میں تو یہ سارا چکر اس بچے  
کی وہر سے چلا ہے۔ نہ وہ گرتا۔ نہ میں گھاڑی روک  
کر اسے کوٹھی کے اندر کرتا اور نہ میری نظر اس خون انور  
کار پر پڑتی۔“

”اوہ ہاں۔ یہ تو معاملہ بہت آسان ہو گیا۔“ انپکٹر جشید

پڑ جوش انداز میں بولے۔

”اور اب آپ اس پین کو بھی دیکھ لیں۔“ فرزاد بے تاباز  
لبحے میں بولی۔

”ضرور۔ کیوں نہیں۔“

انھوں نے پین کو کھولا اور چپل پڑے۔ اس میں نب  
نہیں تھی:

”وہ ماڑا! اس میں نب نہیں ہے۔“ انھوں نے کہا۔

”اور ہمیں ایک عدد نب مقتول کی مشی سے ملی تھی۔  
اب اگر وہ نب اس پین میں رفت آ جاتی ہے تو اور مزا  
آئے گا۔“ محمود نے جلدی جلدی کہا

”مزے کی بھی ایک، ہی کہی“ فرزاد نے اسے گھوڑا۔

”ہاں اور کیا۔ کم از کم دو تو کہنی چاہیں۔“ فاروق فوراً  
ول اٹھا۔

”لگ۔ کیا؟“ انپکٹر جشید کے منہ سے بے خیالی کے عالم  
میں نکلا۔

”مزے کی۔ جو ایک ہی کہی۔“

”دھست تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

”نب میرے پاس ہے۔ ایک منٹ۔“

انپکٹر جشید نے جیب سے وہ نب نکالا اور پین میں

لگا کر دیکھا۔ وہ اس میں لگ گیا، الہتہ قدرے ڈھیلا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بولے:

” یہ ہے اسی کا، لیکن ہے قدرے ڈھیلا۔ اور غالباً اسی لیے نکل گیا تھا، سوال یہ ہے کہ یہ نب مقتول کے ہاتھ میں کس طرح آیا؟ کیا قتل کے وقت چودھری والائی موجود تھا؟ اس کے پاس یہ پیش تھا۔“

”ایک اور الجھن۔ فزان بڑھائی۔“

”لائیں واقعی۔ اگر قاتل کے پاس یہ پیش تھا تو بھی اس کی نب مقتول کے ہاتھ میں ملنے کا بھلا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“ محمود بولا۔

”خود کر د۔ یہ بات بہت ضروری لگتی ہے۔“

”بھی بہت بہتر۔ خود تو ہم ایسا کریں گے کہ بے چارہ خود بھی جیران رہ جائے گا۔“ فاروق نے پر جوش انداز میں کہا۔ ”یاد چُپ رہو۔ ایک تو تھماری بے تکی باتیں سر میں درد کر دیتی ہیں۔“ محمود نے تبلکلا کر کہا۔

”میرے خیال میں تو، ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس آدمی کو پکڑ لیں جس کا بچہ کوٹھی کے سامنے گرا تھا۔ ظاہر ہے، وہ اس وقت والائی موجود تھا، وہ بتا سکتا ہے کہ نون آؤد کار کا والائی کام تھا۔“

”ہاں! ٹھیک ہے۔“

اسی وقت اکرام ان کے پاس آیا:

”سر۔ قتل مگل گھومنٹ کر دیا گیا ہے۔ انگلیوں کے نشانات ملے ہیں، وہ محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ قاتل بہر حال اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا ہے۔ اور ان سے ہمیں مدد مل سکتی ہے۔“ اکرام بولا۔

”بہت خوب! اب کام آسان ہو گیا ہے۔ چلو چلیں۔“  
انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ والائی سے چل دیئے۔ دوسرا دن کے اخبارات نے پہلے صفحے پر اس واردات کی خبر شائع کیں۔ اپکٹر جھیڈ کی طرف سے دیا گیا اشتہار بھی شائع کیا۔ لاش کے پہچانے جانے کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا، لیکن کم از کم وہ لوگ تو سہی سکتے تھے جن کا کوئی عنیزگم تھا۔ اپکٹر جھیڈ نے مردہ خانے میں اکرام کی ڈیوٹی لگا دی۔ تاکہ ہر آنے والے سے سوالات وغیرہ کیسے جائیں۔

دوپھر کے وقت انھوں نے بھی مردہ خانے کا چکر لگایا اور اکرام سے روپرٹ وصول کی:  
”اس وقت تک صرف یہیں آدمی آتے ہیں، جنمبوں نے

لاش کو دیکھا ہے، لیکن ان کا کہنا یہی ہے کہ لاش ان کے عزیز کی نہیں ہے۔  
 ” یہ بات وہ یقین سے کس طرح کر سکتے ہیں؟  
 ” لاش بے شک نہیں پہچانی جا سکتی۔ لیکن پکڑے اس قابل رہ گئے ہیں کہ پہچانے جا سکیں۔  
 ” لیکن لاش کے پکڑے تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے اعتراض کیا۔

” آپ کا مطلب ہے۔ قتل کے بعد  
 ” نہیں قتل سے پہلے۔ ہو سکتا ہے۔ اس کو اور پکڑے پہنا دیے گئے ہوں۔  
 ” لیکن سر۔ قاتل کو جھلا ایسا کرنے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟

” یہی کہ اسے پہچانا نہ جا سکے۔  
 ” اودہ مار سر۔ یہ بات ٹھیک ہے، لیکن اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟

” کچھ نہیں۔ صرف انتظار کر سکتے ہیں۔  
 ” یعنی اس وقت ایک شخص آتا نظر آیا۔ اس کے پہرے پر اُبھن اور پریشانی کے آثار تھے۔ نزدیک آ کر وہ بولا:

” میں اس لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“  
 ” آئیے؟ انپکٹر جشید نے کہا اور پھر اسے اندر لے گئے۔ مردے پر سے چادر ہٹائی گئی۔ وہ کئی منٹ تک اس کو بغور دیکھتا رہا، اس خر بولا:  
 ” اُف خدا۔ یہ تو وہی ہے۔“  
 ” کون وہی۔ آپ کا اس سے کیا رشتہ ہے؟“ انپکٹر جشید نے پوچھا۔  
 ” رشتہ۔ نہیں رشتہ کوئی نہیں۔ یہ میرے پڑوس میں رہتا تھا۔ اپنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ۔ اس کی بیوی فوت ہو گئی ہے۔ اپنے بچے کو میرے گھر چھوڑ کر یہ اپنی ملازمت پر چل جاتا تھا۔ مل۔ لیکن اس کا بچہ۔ وہ کہاں ہے؟ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

” آپ کہاں رہتے ہیں؟“  
 ” ۹۰۱ غوری طاؤن۔“ اس نے بتایا۔  
 ” آپ کا نام؟“  
 ” ارشد منیر۔“ اس نے کہا۔  
 ” تو آپ کا پڑوسی اپنے بچے سیست غائب ہے۔ لہذا آپ لاش کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔“  
 ” جی ہاں! اشتہار پڑھ کر۔ دیے میں اشتہار سے پہلے

بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں — یکن یہ  
کہیں نہیں ملا۔“

” یہ صاحب — کون تھے — ان کا نام کیا تھا، کیا کرتے  
تھے؟ ہمیں تفصیل سے بتائیں؟“

” میں ان کا نام نہیں جانتا — محلے میں انھیں شریف  
بھائی کہ گر پنکارا جاتا ہے — ایک بار انھوں نے بتایا  
تھا کہ یہ ان کا اصل نام نہیں ہے — یہ تو محلے  
والے مجھے شریف بھائی جان کہ کر بلانے لگ گئے ہیں۔  
در اصل وہ ایک سال پہلے رہی، ہمارے محلے میں ہر کر  
رہنے لگا تھا — ایک کمرے کا وہ مکان ان نے کرانے  
پر یا تھا — لوگوں سے بہت دنوں تک تو اس نے  
ملنا جلتا بھی شروع نہیں کیا تھا — محلے کے لوگ اس  
کا نام بھی نہیں جانتے تھے — بس کسی نے شریف بھائی  
کو کمر پنکارا یا — تو اس کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ اس  
نے جلدی جلدی کہا۔

” اور اس کی بیوی — آپ لوگوں کے محلے میں ہی فوت  
ہوئی تھی؟“

” نہیں — اس نے بتایا تھا کہ پچھے ہی دن پہلے اس کی  
بیوی فوت ہوئی ہے۔“

” گویا وہ بچہ چھوٹا سا ہے؟  
” ہاں بالکل۔“

” یہ شخص کام کہاں کرتا تھا؟  
” اس نے آج تک نہیں بتایا۔“

” کیا! وہ حیران رہ گئے — کیونکہ ایک بار پھر  
معاملہ بگھٹتا نظر کیا۔

” ہاں! میں محلے میں اس سے سب سے زیادہ نزدیک تھا،  
میں نے کہی بار اس سے پوچھا، شریف بھائی، آخر تم کام کیا  
کرتے ہو۔ لیکن اس کا جواب اس نے ہمیشہ مسکرا کر دیا اور بس۔“  
” گویا آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ کام کرتا تھا۔“

” ہاں! یہی بات ہے۔“

” خیر — یہ بھی ہونا تھا — یہ بات تو آپ یقین سے کہ  
سلکتے ہیں نا کہ یہ ہے شریف بھائی ہی۔“

” ہاں جناب! اس لیے کہ یہ بیاس میں بہت اچھی طرح  
پہچانتا ہوں — یہ اس نے محلے کے درزی سے ہی سلوایا تھا۔  
اور پکڑا بھی میرے ساتھ بازار سے خرید کر لایا تھا۔“

” بہت خوب! اب سوال یہ ہے کہ اس کا بچہ کہاں ہے؟“

” ہم بہت پریشان تھے کہ دونوں نہ جانے کہاں چلے گئے۔  
پرسوں رات یہ اپنے گھر میں تھا، بچہ بھی — لیکن صحیح دونوں

نظر آئے۔ گھر کا دروازہ بھی کھلا ملا۔ درونہ ہر روز تو  
یہ دروازہ بند کر کے بچہ ہمارے حوالے کر کے جایا کرتا  
تھا۔ ہم بہت حیران ہوتے۔ گھر میں بھی دیکھا اور باہر  
بھی۔ لیکن کیس نظر آتے:

”آپ نہیں اس کا گھر دکھا دیں ذرا۔ انپکٹر جمیش آئتے  
ہوتے بولے۔

”ضرور کیوں نہیں؟

وہ اس کے ساتھ شریف بھائی کے گھر تک آتے، پھر  
بُونی اندر داخل ہوتے، ایک اور حیرت کا انھیں سامنا کرنا پڑا۔  
بچہ مکان کے اندر موجود تھا۔ اس بچے کو دیکھ کر فاروق  
اور زور سے آپھلا۔

”وہ۔ وہ یہی بچہ تھا، جو گر گیا تھا اور میں نے اُسے  
اٹھا کر اندر داخل کر دیا تھا۔ وہ چلتا اٹھا۔

”ہوں! مجرم اس بچے کی وجہ سے پریشان تھے۔  
لہذا وہ اسے یہاں چھوڑ گئے۔ محلے والوں سے پوچھ گچھ  
کرنی چاہیے۔ انپکٹر جمیش بولے۔

انھوں نے اس پاس کے لوگوں سے سوالات شروع  
کیے، لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ بتا سکا کہ بچہ اس  
گھر میں کس طرح پہنچا۔ نہ کسی نے کسی ایسے آدمی کو دیکھا  
جو بچہ یہی اس طرف آیا ہو:

”حیرت ہے۔ بچہ یہاں کس طرح پہنچا؟

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔ کم از کم بچہ خود بخود تو پہنچا  
نہیں ہو گا۔“

”ہمارے یہی اصل منہد یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے

مقتول کون ہے؟ کیا کام کرتا رہا ہے اور کہاں کام کرتا رہا ہے؟

"لے دے کے ہمارے پاس عامر غازی کے دفتر کے وہ لوگ رہ گئے ہیں جنہوں نے ان کے لیے کراٹے کی جگہ تلاش کی۔ اور اب ہمیں فوری طور پر وہاں پہنچ جانا چاہیے، اس بچے کو فی الحال آپ، ہمیں اپنے پاس رکھیں، یکنکہ یہ پہلے بھی آپ کے پاس رہتا رہا ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

وہ عامر غازی کے دفتر پہنچ گئے۔ اس نے پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا:

"آپ نے ابھی عملے سے کوئی بات تو نہیں کی؟"

"جی۔ جی نہیں۔"

" منتکریہ! آپ صرف ان لوگوں کو مbla لیں جو آپ کے لیے کراٹے کی جگہ حاصل کرنے میں پیش پیش تھے۔"

" اپھی بات ہے۔" عامر غازی نے کہا اور گھٹٹی کا بن دبا دیا۔

جلد ہی کمرے میں چار آدمی آکھڑے ہوتے۔

" یہ ہیں وہ چار جو تمام وقت اس سلسلے میں ساتھ ساتھ رہتے۔"

" بہت خوب! غازی صاحب کے لیے وہ کوٹھی آپ لوگوں نے تلاش کی تھی؟"

" جی ہاں یا لکل۔"

" جس روز غازی صاحب کو آنا تھا، اس سے ایک دو روز پہلے آپ لوگ وہاں صفائی کے سلسلے میں موجود رہے ہوں گے؟"

" جی یا لکل۔"

" ایس تاریخ کی شام کو آپ میں سے کون کون دہاں تھا؟"

" ایس تاریخ کی شام کو۔ جی، ہم چاروں موجود تھے۔"

" اس شام اس کوٹھی میں ایک بچہ بھی تھا۔ تھا نا؟"

" جی۔ بچہ۔ وہ دھک سے رہ گئے

" ہاں بچہ۔ ایک چھوٹا سا بچہ دہاں موجود تھا نا۔ وہ آپ میں سے کس کا تھا؟"

" آپ کی اطلاع درست نہیں ہے جناب۔ وہاں کوئی بچہ نہیں تھا۔"

" اس روز گیراج میں ایک کار بھی موجود تھی۔ زرد زنگ کی نئی کار۔ کھڑی تھی نا؟"

" جی۔ جی نہیں۔ وہاں کوئی کار نہیں تھی۔"

"اپر آپ انیں تاریخ کو دہان موجود تھے؟"  
"بالکل تھے"

"تب تو آپ چاروں کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا"  
"جی۔ کیا مطلب ہے؟ ایک نے جھرا کر کہا۔  
"اس لیے کہ آپ چاروں سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔"  
"انپر جیش مکارے۔"  
"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں جناب۔ عامر غازی نے  
وکھلا کر کہا۔

"میں بالکل طیک کر رہا ہوں۔ یہ فاروق ہے۔ یہ انیں  
تاریخ کی شام کو اس طرف سے اپنی کار میں گور رہا تھا  
کہ اس کوٹھی سے ایک بچہ نکل کر گر پڑا۔ فاروق نے  
کار روکی، اُتر کر تھے کو اٹھایا اور کوٹھی کے اندر کر  
دیا۔ اسی وقت اس کی نظر گیراج پر پڑی۔ گیراج کا دروازہ  
�للا تھا۔ اس میں زرد رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ کار  
کے نام تھوں آکوڈ تھے۔ فاروق نے کار کے نہر نوٹ کر  
لیے اور واپس چلا گیا۔"

"کار۔ تھوں آکوڈ ماڑ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟"  
"یہن دوسرے دن وہ کار دہان نہیں تھی۔ بلکہ آپ  
دہان موجود تھے اور آپ نے ہمیں بتایا کہ آپ تو آج ہی

آئے ہیں؟"

"آخر آپ کتنا کیا چاہتے ہیں؟" عامر غازی نے جھرا کر کہا۔  
"یہ کہ اس کار کے ذریعے ایک انسان۔ بلکہ ایک شریف  
انسان کو پکلا گیا ہے۔ یہ بات نہیں کہ وہ اتفاق سے کار  
کے نیچے آگئی ہو۔ جی نہیں۔ اس پر سے تو  
کئی بار کار گزاری تھی۔ تاکہ اس کی ہٹی پسلی ایک ہو  
جائے اور اسے پہچانا ز جا سکے۔"

"یا اللرحم! کیا آپ یہ کہتا چاہتے ہیں کہ ایسا اخنوں  
نے کیا؟ عامر غازی کانپ گیا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں  
کہ اس کوٹھی میں انیں تاریخ کی شام کو خون آکوڈ ماڑوں  
والی زرد کار موجود تھی۔ اس کا نمبر ایل کے ۳۶۴۲  
اور یہ چاروں اس وقت کوٹھی میں موجود تھے۔ بلکہ ان  
کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا اور محترم غازی صاحب۔ وہ  
بچہ ہے مقتول کا۔"

"کیا؟! وہ دھک سے رہ گیا۔ پھر اس کی نظریں ان  
چاروں پر جنم گئیں۔

"یہ سب کیا ہے؟ اس نے غرما کر کہا۔  
"یہ بالکل غلط ہے جناب۔ ہم دہان ضرور موجود تھے،

یکن نہ تو دہاں کوئی خون آؤد کار تھی اور نہ ہمارے ساتھ کوئی بچہ تھا: ان میں سے ایک نے پریشان اواز میں کہا۔

”ان چاروں کو میرے ساتھ جانا ہو گا غازی صاحب، یہ مسئلہ ہے ایک غریب آدمی کے قتل کا۔“  
”ٹھیک ہے۔ آپ انھیں لے جائیں۔ میں تو ہر پریشان ہو گیا ہوں۔ دیکھئے نا۔ ابھی ابھی آیا ہوں اور آتے ہی یہ مصیبت پڑ گئی۔“

”یکن اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟“

”قصور نہ ہو۔ ملکے کا انچارج تو میں ہوں نا۔“  
”آپ اس روز یہاں نہیں تھے۔ آپ نے اس کے ایک روز بعد چارچ ریا، لہذا آپ کو نکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”یہ کر کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب وہ ان چاروں کو کمرہ امتحان میں لائے۔ دہاں کے آلات کو دیکھ کر وہ تھر تھر کا پنڈنے لگے۔“

”تن۔ نہیں۔ ہم۔ ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔“  
”اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا۔ میرے بیٹے نے خود وہ کار دہاں دیکھی ہے۔ اور تم کو رہے ہو۔ دہاں

کوئی کار نہیں تھی۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔ ان میں سے ایک نے مضبوطی سے کہا۔

”تو پھر وضاحت کرو۔ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے؟“

”ہم صفائی کرنے کے لیے دن میں گئے تھے۔ ہم نے تالا اپنے ہاتھوں سے کھولا تھا۔ اس وقت دہاں کوئی کار نہیں تھی۔ نہ عمارت میں کوئی اور تھا۔ ہم نے صفائی کا کام شروع کر دیا۔ اچانک ہمیں نیند آنے لگی۔ ہم بہت جیران ہوتے۔ پہلے کبھی اس طرح نیند نہیں آئی تھی۔ ہم نے نیند کو بھگانے کی کوشش کی، لیکن کلامیاب نہ ہو سکے اور پھر ہم بے سُدد ہو گئے۔“  
”ہماری آنکھ دات کے نوبجے لکھی۔ ہماری جیرت اور بڑھ گئی۔ ہم کئی گھنٹے تک سوتے رہے تھے۔ ہم نے صفائی کا بقیہ کام جلدی کیا اور اپنے گھروں کو چلے آئے۔“

”اگر تمہارا بیان بالکل پر ہے۔ تب تو تم نے واقعی نگار کو اور بچے کو نہیں دیکھا ہو گا، کیونکہ یہ واقعہ ہے شام کا۔ اور وہ وقت تم بتا رہے ہو، بلے ہو شما کا۔ خیر، ہم تمہارے بیان کی چاچے پڑھاں کریں گے۔“

ہو سکتا ہے۔ تمہیں کسی نے کسی گیس کے ذریعے بے ہوش کیا ہو۔ یا لکھانے کی کسی چیز میں بے ہوشی کی دوا دی گئی ہو۔ تم نے اس روز وہاں کچھ کھایا پیا تھا؟

"لکھانا ہم ساتھ لے گئے تھے"

"چاروں اپنے اپنے گھر کا لکھانا لے گئے تھے؟"

"ہاں۔ مل کر کھایا تھا ہم نے"

انپکٹر جشید سوچ میں ڈوب گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی ان چاروں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ پھر انپکٹر جشید مسکرائے:

"میں سمجھ گیا"

"آپ کیا سمجھ گئے؟ وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔

"بس۔ تمہیں اس سے کیا"

انھوں نے چاروں کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دیا اور خود باہر نکل آئے:

"آپ کیا سمجھ گئے اباجان؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔ ہمیں فی الحال عامر غازی کی کوٹھی تک جانا ہے۔ پہلے اسے فون کر لیتے ہیں۔ تاکہ وہ بھی وہاں پہنچ جائے"

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ کوٹھی کے دروازے پر

پہنچے تو غازی وہاں موجود تھا:

"آپ نے مجھے یہاں کیوں بلوایا ہے؟"

"کوٹھی کی تلاشی لیں گے، ہم"

"کیوں کیوں۔ خیر تو ہے"

"دفتر لے جائے جانے کے بعد انھوں نے ایک اور بیان دیا ہے۔ اب ہم اس بیان کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں"

"اور وہ بیان کیا ہے؟"

انپکٹر جشید نے ان کی نیند والا بیان دھرا دیا:

"اوہ اچھا! اس طرح تو آپ کے بیان کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یعنی خون آکوڈ کار وہاں موجود تھی اور وہ چاروں بھی سچے ثابت ہو جاتے ہیں"

"ہاں! یہی بات ہے"

"تب پھر اب آپ سلاشی کیوں لینا چاہتے ہیں؟"

"اپا پورا اطمینان کرنے کے لیے" وہ مسکرائے۔

عامر غازی نے اپنے گھر کی عورتوں کو ایک طرف کر دیا، اب انھوں نے پوری کوٹھی کی تلاشی لی، پھر عامر غازی سے بولے:

"آپ اپنے گھر کی عورتوں سے پوچھیں۔ یہاں باورچی خلنے میں کچھ گندے برتن تو نہیں ملے تھے؟"

عامر غازی نے پوچھنے کے بعد بتایا:

"بھی نہیں۔ یہاں کوئی برتن نہیں ملے۔ صاف سُتھری  
کوٹھی ملی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔ فاروق تم پھت پر جا کر جائزہ لو۔"

"بھی بہتر! لیکن میں کس پھیز کا جائزہ لوں ابا جان ہے۔

اس نے بوکھلا کر کہا۔

"جاوہ۔ وہ سخت بھے میں بولے۔"

فاروق سہم کر اپر کی طرف چلا گیا۔

"آپ نے بے چارے کو مانٹ کیوں دیا۔ ٹھیک بات  
تو پورچی تھی اس نے۔"

"آپ نہیں جانتے، انجان بن رہا تھا۔ وہ منکراتے۔

"اوہ ہو اچھا۔ عامر غازی نے حیران ہو کر کہا۔

جلد ہی فاروق کی واپسی ہوئی۔ اس کے چہرے پر  
قدرتے چرت تھی:

"پھت صاف ہے، لیکن کوٹھی کے پچھے حصے میں خود رو  
چھاؤیاں بے تحاشہ ہیں۔"

"اوہ! ان کے مزے نکلا۔"

"اچھا جا ب عامر غازی۔ ہماری تلاشی مکمل ہو گئی۔ اب  
آپ اگر دفتر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ آؤ بھی چلیں۔"

وہ انھیں لے کر کوٹھی کے پچھے حصے میں آئے۔

اور چھاؤں میں گھس کر کوئی چیز تلاش کرنے لگے:

"اگر کوئی رہیں اسی حالت میں دیکھ لے تو جانتے ہو،  
کیا خیال کرے گا؟ انکھڑ جھیڈ نے ہنس کر کہا۔

"پاگل۔" فاروق نے فوٹا کہا۔

"پاگل وہ صرف تمھیں خیال کرے گا۔ فراز نے جھلک کر کہا۔

"لگ۔ کیوں۔ میرے سر پر یہاں ہیں۔" فاروق بوکھلا  
کر بولا۔

"وہ خیال کرے گا۔ ہم جڑی بوٹیاں تلاش کر رہے ہیں۔"

"اوہ ہاں واقعی۔ ارے۔ وہ دیکھے۔ وہ کیا چیز ہے؟  
وہ تیزی سے اس طرف بڑھے۔ اور پھر ان کی انکھیں  
چمک انھیں۔ کامیابی انھیں سامنے نظر آنے لگی۔

”جی۔ کیا مطلب۔ بے ہوشی؟ وہ حیرت زده رہ گیا۔  
”ہاں! بے ہوشی۔ آپ لوگوں کو بے ہوشی کی دوا دی  
کرنی تھی۔“

”لیکن کیوں۔ اور ایسا کس نے کیا؟ وہ بولا۔

”بے ہوشی کی دوا اس لیے دی گئی تھی کہ اس گھر میں  
ایک خونی ڈراما کھیلا جانا تھا۔“

”خُن۔ خونی ڈراما۔“ وہ حیرت زده رہ گیا۔

”ہاں! وہاں ایک انسان کو رکھنے کے لحاظ اتارا جانا  
تھا۔ آپ لوگ بے ہوش تھے اور وہاں یہ ڈراما کھیلا گیا۔“  
”نہ۔ نہیں۔“

”پہلے وہاں ایک آدمی کو ہلاک کیا گیا۔ پھر اس کا  
کار میں اس لاش کو رکھ کر کوٹھی کے پچھے حصے کی طرف  
لے جایا گی اور کار کے ذریعے لاش کو بُری طرح پچلا گیا،  
تاکہ اس کی شناخت نہ ہو سکے۔ پھر لاش کو کار میں رکھ  
کر یہاں واپس لایا گی اور اس بات کا اطمینان کیا گیا  
کہ لاش کو اب کوئی پہچان تو نہیں سکے گا۔ جب اطمینان  
ہو گیا تو لاش کو دہل سے بہت دور ساحل پر پہنکوا  
ڈیا گیا۔“

”آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟“

## خلیفہ

انپکٹر جمیش، محمود، فالوق اور فراز ان دفتر میں موجود تھے۔  
میز پر چند چیزوں پر ڈی تھیں۔ ایسے میں انپکٹر جمیش نے  
اکرام سے کہا:

”اکرام! ان میں سے ایک کو لے آواز۔“

”جی بہتر! اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔  
جلد، سی وہ ان چاروں میں سے ایک کو لے کر  
اندر داخل ہوا:

”بلیٹھیے بھائی۔ انپکٹر جمیش نے نرم آواز میں کہا۔  
وہ حیرت زده سا بلیٹھیے گیا۔ میز پر رکھی چیزوں کو اس  
نے ایک نظر دیکھا، پھر بولا:

”فرمائیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟“  
”پہلے تو یہی یہ بتا دوں کہ اس روز جو آپ چاروں پر نیند  
طاری ہوئی تھی، وہ نیند نہیں، بے ہوشی تھی۔“

اس کی انگلیوں کے نشانات یہے گئے تو وہ بُری طرح کا پہ  
راہ تھا۔

”آپ کا نام؟“

”رَجُحُو بِيرَّ“

”ہندو ہیں؟“

”ہاں آئے اس نے کہا۔

”تو یہ چیزیں آپ کی ہیں؟ انہوں نے میز پر رکھی چیزوں  
کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں؟ اس کے منزل سے نکلا۔

”شکریہ! اگرام اسے لے جاؤ۔ ان یعنوں سے اسے  
الگ رکھو۔ ان یعنوں کو بتا دو۔ وہ بالکل بے گناہ ہیں۔

ایسیں بہت جلد فارغ کر دیا جائے گا۔ ایک بُجھوڑی کے  
نخت انھیں، سم یہاں رکھیں گے، لیکن قیدیوں کی صورت

میں نہیں، سماںوں کی طرح۔ کیونکہ ان کا کوئی جرم نہیں،  
اب انہوں نے دوسرے کو بُلا یا۔ دوسرے سے

بھی باہمیں کیس اور پھر اس سے بھی انگلیوں کے نشانات کی  
نیابت بھی ہو جائے، تب بھی اس کی رہائی میں کتنی دن

بات کی۔ وہ بھی خوشی سے نشانات دے کر چلا گیا، لگا دیے جاتے ہیں۔ تم ان یعنوں کو فوراً دفتر کا

تیرے نے بھی یہی کیا۔ پوتھے کو جب یہ تفصیل سُنا تیک کمرہ دے دو۔ وہاں ان کے کھانے پینے کا  
انظام کر دو۔ وہ گھوم پھر بھی سکتے ہیں۔ اپنے تھرو والوں

”اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میز پر پڑی ان چیزوں  
کو دیکھ رہے ہیں آپ؟“

”ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔“

”ان چیزوں کو پہچانتے ہیں؟“

”کم از کم یہ میری نہیں، ہیں۔“

”ان پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوا لیے گئے  
ہیں۔ بُجھوڑوں سے پھوک ہو، ہی جاتی ہے۔ یہ چیزیں کوئی  
کے پھولی طرف پھیلنے ہوئے اس نے سوچا بھی نہ ہو گا کہ  
ان پر سے انگلیوں کے نشانات مٹا دینے چاہیں۔ یہ  
تلash بھی کی جا سکتی ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ اس کاغذ پر اپنی انگلیوں کے نشانات دے دیں۔“

”اوہ اچھا۔ ضرور۔ یکوں نہیں۔“ اس نے خوشی خوشی  
نشانات دے دیے۔

اب انہوں نے دوسرے کو بُلا یا۔ دوسرے سے  
بھی باہمیں کیس اور پھر اس سے بھی انگلیوں کے نشانات کی  
نیابت بھی ہو جائے، تب بھی اس کی رہائی میں کتنی دن  
تیرے نے بھی یہی کیا۔ پوتھے کو جب یہ تفصیل سُنا تیک  
یک کمرہ دے دو۔ وہاں ان کے کھانے پینے کا  
گئی تو اس کا دنگ بہت تیزی سے اڑنے لگا اور جب

سے فون پر بات چیت بھی کر سکتے ہیں؟  
اوکے سہر۔ اکرام نے خوش ہو کر کہا۔

اب وہ ان تینوں کو لے کر پیر ڈیپارٹمنٹ پہنچے۔  
عامر غازی نے پُر جوش انداز میں ان کا استقبال کیا:  
”کیمے۔ کیا رہا۔ ان چاروں سے کچھ معلوم ہوا؟“  
”آپ پریشان نہ ہوں۔ بہت جلد اب یہ جھگڑا ختم  
ہو جائے گا۔“

”اوہ! اللہ کا شکر ہے۔ میں تو پریشان اس لیے تھا  
کہ میرے آتے، ہی یہ کیا چکر شروع ہو گیا۔ جب کہ اس  
چکر سے میرا کوئی قتل نہیں۔“

”ہم ذرا آپ کے دفتر کا عملہ چیک کرنے آتے ہیں۔“  
”جی۔ کیا مطلب۔ دفتر کا عملہ؟“

”ہاں دفتر کا عملہ۔ آپ کے اس دفتر میں کل کتنے  
اُدھی مُلازِم ہیں؟“

”ایک سو انجاس۔“ اس نے فرما کہا۔  
”آپ سمیت؟“

”ہاں! مجھ سمیت۔“  
”آپ ان سب کے آفیسر ہیں۔ آپ سے پہلے یہاں  
کون تھے؟“

”جاوید جاڑا صاحب۔“

”جاوید جاڑا۔ بھتی واہ۔ کیا خوب نام ہے۔“ فاروق  
نے خوش ہو کر کہا۔

”فاروق خاموش رہو۔“ انپریز جہید نے اسے ڈانٹ دیا۔  
”جی بہت بہتر۔“ فاروق نے سہم کر کہا۔

”جاوید جاڑا صاحب اب کہاں گئے ہیں؟“

”انھیں یہاں سے دوسرے صوبے میں بیچج دیا گیا،  
کون کوٹ میں۔ وہ اس صوبے کا سب سے بڑا شہر ہے  
اور پُر سکون شہر ہے۔ یہاں تو آئے دن فادات ہوتے  
رہتے ہیں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھ، ہی یہاں ہو گا۔  
آج بھی شہر میں چھڑا گھونپنے کی چار وار ڈائیں ہوتی ہیں۔“

”ہاں! میں پڑھ چکا ہوں۔ اور اس قسم کی خبریں مجھے  
بہت پریشان کرتی ہیں۔ خیر۔ ملازمین کا رجسٹر منگوا دیں۔“  
انپریز جہید نے کہا۔

”جی بہتر۔“

وہ رجسٹر میں گم رہے۔ عامر غازی نے اپنے مینچر کو  
بھی بُلا لیا تھا۔ تاکہ وہ جو بات پوچھیں، انھیں بتائی جاسکے،  
رجسٹر کا بغود مطالعہ کرنے کے بعد انپریز جہید اس کی  
طرف مڑے:

"میخواستی اے بیان گل ایک سو انچاں آدمی ملازم ہیں،  
اکج ایک سو سینتالیس آدمی حاضر ہیں۔ ایک کلک بیمار ہے،  
جب کہ ایک شخص تین دن سے مسلسل غیر حاضر چلا آ رہا  
ہے۔ میرا مطلب ہے۔ فاروق علی نام کا آدمی۔ اپنے  
پتا کیا۔ یہ کہاں ہے؟"

"جی نہیں۔ ہمیں اتنی فرصت کہا۔ اس نے کہا۔

شکریہ: مجھے اس شخص کا پتا چاہیے۔"

"رجڑیں لکھا ہوا ہے سر۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ فاروق یہ پتا نوٹ کرو۔ اپ اس کا  
حکیم بتا سکتے ہیں؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ یہ دریانے قد کا سافولا آدمی  
ہے۔ گول چہرہ، گول آنکھیں، ناک موٹی سی، سر کے  
بال گھرے سیاہ، آنکھیں بھی گھری سیاہ۔ بس یا اور تفصیل  
بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"اتنا ہی کافی ہے۔ فاروق تم نے پتا نوٹ کر لیا؟"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"چلو بھی۔ ذرا اس نپتے پر مسٹر فاروق علی سے مل  
آئیں۔ انپکٹر جمشید بولے۔"

"لیکن معاملہ کیا ہے جناب پہنچا ہے۔ عامر غازی نے جیران ہو

کر پوچھا۔

"مسلسل بحیث وغیرہ ہے۔ اپ کو کچھ دیر اور انتظار  
کرنا ہو گا۔ پھر، تم اپ کو تفصیل سنائیں گے اور اپ جیزاں  
ہوں گے۔ وہ جلدی جلدی بولے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اپ کا انتظار کروں گا۔" اس  
نے کہا۔

وہ اس پتے پر پہنچے، لیکن معلوم ہوا۔ اس پتے پر  
فاروق علی نامی آدمی نہیں رہتا۔ ذرا اس جیلے کا کوئی آدمی  
رہتا ہے۔ اب وہ فوراً مقتول کے پڑوسی ارشد منیر کے  
گھر پہنچے۔

"ارشد منیر صاحب۔ اپ اپنے شریف بھائی کا حلیہ بتا  
سکتے ہیں؟"

"جی ضرور۔ کیوں نہیں۔ وہ دریانے قد کا سافولا آدمی  
اکی ہے۔ آنکھوں کا رنگ بالکل سیاہ، بال بالکل سیاہ، ناک  
موٹی سی۔"

"بس کافی ہے۔ وہ یک دم بولے اور تیزی سے آٹھے۔

"کیا ہوا جناب؟"

"ہمیں فوراً، سپتال پہنچا ہے۔ نہیں۔ میں فون کیوں  
نہ کروں۔ انھوں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا اور ارشد منیر

سے بولے :

"اپ کے ہاں فون ہے؟"  
"نہیں؟ وہ بولا۔"

وہ کار میں آتے۔ جلدی جلدی ہسپتال کے نمبر ڈائل  
کیے۔ دوسری طرف سے میڈیکل پرنسپلٹ نے جواب دیا:  
"انپکٹر جیشہ بات کر رہا ہوں۔"

"فرمائیے جناب : کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ایک لاش پوسٹ مارٹم کے لیے لائی گئی ہے یہاں۔  
جو ڈاکٹر صاحب اس کا پوسٹ مارٹم کر رہے ہیں، میں ذرا ان  
سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی بلواتا ہوں اخیں فون پر۔"

وہ انتظار کرنے لگے۔ آخر دوسری طرف سے آواز  
سنائی دی :

"ڈاکٹر انتر بول رہا ہوں سر۔ فرمائیے۔"

"اپ چودھری نامی ایک شخص کا پوسٹ مارٹم کر رہے  
ہیں نا۔"

"جی ہاں! اس نے کہا۔"

"میں اس کے بارے میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"  
یہ کہ کر انھوں نے وہ بات بتادی۔ دوسری طرف سے

فدا کہا گیا۔

"بالکل صحیح سر۔ یہی بات ہے، لیکن آپ کو کس طرح  
معلوم ہوا؟"

"میں نے اندازہ لگایا تھا۔ بہر حال، آپ کا شکریہ۔"

اور وہ دہان سے باہر نکل آتے۔

"اس کیس نے تو فوراً ہی گرگٹ کی طرح دنگ بدل دیا  
ہے۔" فرزان بولی۔

"چلو اچھا ہے۔ کسی کوارے تو لگا۔" فاروق نے خوش  
ہو کر کہا۔

"پہلے ہم گھر چلیں گے۔ کچھ دیر آرام کریں گے۔ کیس  
پر بحث کریں گے اور پھر جرم کے چہرے سے ناقاب اٹھیں گے۔"  
"بھائی وہ! بہت مزے کا پروگرام رہے گا۔"

وہ گھر پہنچے، ہی تھے کہ اکرام دہان پہنچ گیا:

"اچھے موقع پر آئے اکرام۔ مجھے تم سے کام ہے۔"

"بھائی فرمائیں۔" اس نے کہا۔

"پہلے تم بتاؤ۔ تم کس سلسلے میں آتے ہو؟"

"آپ کو یہ بتانے کہ ان چاروں کے بارے میں بار بار  
فون آ رہے ہیں۔ کہ انھیں اب تک کیوں روکا گیا ہے،  
ان کا کیا جرم ہے، انھیں کب واپس بھیجا جا رہا ہے۔"

کیوں۔ کیا۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے فون پر  
بات نہیں کی؟

پھر تھے نے کب کی ہے؟  
”تمھارا مطلب ہے۔ رُکھو بیر“

”ہاں! غالباً رُکھو بیر کے رشتے دار بار بار فون کر رہے ہیں۔“  
”ہوں! میں سمجھتا ہوں۔“

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسیور اٹھایا  
ہی تھا کہ بھاری بھر کم اور حد درجے کھرد روی آواز سنائی دی:  
”رُکھو بیر کو فوراً چھوڑ دو اپنکا۔ درد تھارا گھر جل کر  
داکھ ہو جائے گا۔ اور اس میں تم پانچوں بھی ہو گے۔“

”بہت خوب! کون صاحب بات کر رہے ہیں؟“  
”آپ کو اس سے کیا۔ آپ یہ بتائیں، رُکھو بیر کو چھوڑ  
رہے ہیں یا نہیں؟“

”نہیں تو۔ اسے کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔“  
”تو پھر تباہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔“  
”بہت اچھا۔“ ریسیور رکھ کر انھوں نے اکرام کو دھمکی  
کے بارے میں بتایا۔

”آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی خاطری انتظامات کیے دیتا ہوں۔“  
”رہنے دو۔ اس جیسے ز جانے کتنے پھرتے ہیں۔“

”پھر بھی سر۔ ایسے لوگ خطرناک تو ہوتے ہیں۔“

”نہیں۔ کچھ نہ کرنا۔ میں خود ان سے بیٹھ لوں گا۔“  
انھوں نے مزہ بتایا۔

”آپ کسی کام کے بارے میں بات کر رہے تھے۔“

”ہاں! درمیان قد، سافولا رنگ، موٹی آنکھیں کالے رنگ  
کی، ناک بھی موٹا سا۔ یاں بالکل سیاہ۔ اس جیسے کے آدمی  
کا نام بتا سکتے ہو؟“

”دیکھنا پڑے گا۔ ملیے دیکھا بھالا سا ہے۔“

”تو جاؤ۔ اور چیک کر کے مجھے فون کرو۔“

”بھی بہتر! اکرام نے کہا اور چلا گیا۔“

”تم باری باری پھت پر پڑہ دو گے۔ چاروں طرف نظر  
رکھو گے۔ ویسے یہ لوگ رات سے پہلے جملہ نہیں کریں گے۔“

”کوئی بات نہیں۔ ہم دیکھ لیں گے انھیں۔“

”تو پھر سب سے پہلے میں اپر جاؤں گا۔ محمود نے کہا اور  
پھت پر چلا گیا۔“

خوڑی دیر بعد اکرام کا فون موصول ہوا۔ وہ حیرت زدہ  
انداز میں کہ رہا تھا:

”اس جیسے کا آدمی ہمارے نمبر ایک ریکارڈ میں موجود ہے جناب۔“  
”اوہ اچھا۔ ان کے مزہ سے مارے حیرت کے نکلا۔“

# کھانی

چند لمحے تک خاموشی رہی ، پھر انپکٹر جمیش نے کہا :

” ہم ان تمام روپورٹوں کا مطالعہ کرنا پسند کریں گے بھائی۔ ”

” میں جانتا تھا سر۔ اسی لیے روپورٹیں لے کر آ رہا ہوں۔ ”

” اوہ بہت خوب ہے ! ”

یعنی اُس وقت اُپر سے فائزنگ کی آواز سنائی دی۔ ” وہ بخوبی اٹھے :

” شاید حملہ آور ہے گئے؟ انپکٹر جمیش بولے اور اُپر کی طرف دوڑ پڑے ۔

” فرزانہ تم نیچے ٹھہرو۔ ”

” جی بہتر ”

اُپر پہنچ کر انہوں نے دیکھا۔ محمود ایک سمت میں مسلسل فائزنگ کر رہا تھا۔ لوگ دُور بھاگ رہے تھے، لیکن ایک بند کاڑی کی اوث سے کچھ لوگ محمود پر فائزنگ

” دس سال پہلے اس کی ڈیونی لگانی گئی تھی۔ اس کی طرف سے ملنے والی روپورٹیں عجیب و غریب ہیں۔ اگر صد وہ اس دن کے بعد سے آج تک سامنے نہیں آیا۔ یہ تینیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ بس اس کی طرف سے بہت کام کی روپورٹیں مل جاتی ہیں۔ ”

” اوہ یہ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ ”

کر رہے تھے۔

"کیا معاملہ ہے؟"

"یہ گاڑی آ کر دی تھی۔ اور سلیخ آدمی اس سے اُترے تھے۔ گاڑی سے اُرتے ہی انھوں نے ہمارے گھر کی طرف دیکھا اور پھر وحیانہ انداز میں آگے بڑھے۔ میں اگر اُپر نہ ہوتا تو یہ اس وقت تک گھر کے دروازے پر پہنچ چکے ہوتے؛

"ہوں۔ وہ بولے۔"

اور پھر ان سب نے گاڑی کی اوٹ میں چھپے لوگوں پر فائز نگ شروع کر دی۔

"گاڑی کے طائر، پہلے پھاڑ ڈالو۔" انپکٹر جمیش نے کہا اور طائروں کا فناہ لے کر فائز نگ کی۔ طائر دھماکوں سے پھٹ گئے۔

فائز نگ میں شدت آگئی تھی۔ پھر پولیس کی گاڑیوں نے اس پورے علاقے کو اپنے یگھرے میں لے لیا۔

"میں چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کو زندہ پکڑا جائے۔" انپکٹر جمیش بولے۔

اسی وقت پیکر پر کہا گیا:

"سر! آپ لوگ خیریت سے تو ہیں۔ ہم نے پورے

علاقے کو یگھرے میں لے لیا ہے۔"

"ہاں! اللہ کا شکر ہے۔ فائز نگ کرنے والے پنج کرنیں جانے چاہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

آدھ کھنٹے تک فائز نگ کا بازار گرم رہا۔ اس کے بعد جملہ آوروں کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں اور انھوں نے ہاتھ اُپر اٹھا دیے۔

"ان لوگوں کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئی ہیں سر۔ اب کیا حکم ہے؟"

"میں ان سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔" انپکٹر جمیش نے کہا۔

جملہ آوروں کو ان کے سامنے لایا گیا:

"تم لوگ رگھو بیر کے ساتھی ہو؟"

"ہاں ہیں۔ تو پھر؟"

"تم نے، ہی فون کیا تھا؟"

"بانکل کیا تھا اور ہم رگھو بیر کو چھڑا کر رہیں گے۔" ایک نے غرما کر کہا۔

"پہلے خود کو تو چھڑا لو۔ فاروق نے منہ بنایا۔"

"یہ کیا مشکل ہے۔ ہم جیل سے بھاگ جائیں گے۔"

اس بات کو لکھوں تو انپکٹر۔

”لکھے یہیں گے، بے فکر رہو۔ رکھو بیر کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟“

”کس معاملے کی بات کر رہے ہو، ہم کسی معاملے کی کوئی بات نہیں جانتے۔ ہم صرف اپنے ساتھی رکھو بیر کو جانتے ہیں۔“

”اگر وہ تمہارا ساتھی ہے تو یہ سڑی پارٹمنٹ میں ملازمت کیوں کر رہا ہے؟“

”ہم نہیں جانتے۔ وہ ملازمت کیوں کر رہا ہے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہمارا ساتھی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ انھیں لے جائیں بھئی۔“

”میرا خیال ہے۔ ہماری تفیش مکمل ہو گئی۔ اب سب لوگوں کو جمع کر، ہی لیا جائے۔“

”کیا سب لوگوں کو جمع کیے بغیر مجرم کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا اب؟ جان؟“ محمود مکرا ایسا۔

”کیا تو جا سکتا ہے۔ لیکن تم جانتے ہو، اس طرح مزا نہیں آتا۔“

”جلیسے ٹھیک ہے، پھر آپ مزے کا انتظام کریں۔“ فاروق بولا۔

انپکٹر جشید مکرا کر دے گئے۔ پہلے انھوں نے اکرام

کی لائی ہوئی روپورٹ پڑھی، پھر فون کی طرف متوجہ ہو گئے اور باری باری فون کرنے لگے۔ شام کے وقت ان کے گھر میں کہیں سے متعلقہ تمام لوگ موجود تھے۔ وہ سب ہمگر ان کی طرف دیکھ رہے تھے، لیکن انپکٹر جشید اس طرح خاموش تھے جیسے آج کے دن انھیں کوئی بات کہنی ہی نہ ہو۔

”آخر ہم سب کو یہاں کیوں جمع کیا گیا ہے؟ جاوید جوگی نے بھتائے ہوئے لمحے میں کہا۔

”ابھی بتاتا ہوں۔“

”لیکن آپ تو بہت دیر سے خاموش ہیں۔“ ریحان دبای نے بھتانا کر کہا۔

”اس وقت تک میں سارے کیس کے پہلوؤں پر خود کرتا رہا ہوں، سوچتا رہا ہوں۔ خیر نہیں۔ اس معاملے کی ابتدا فاروق سے ہوئی۔ فاروق اپنی کار میں ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ ایک کوٹھی سے ایک بچہ نکل کر دروازے کے پاس گر پڑا۔ فاروق نے کار روکی، نیچے اُتر کر بچے کو اٹھایا اور دروازے کے اندر کر دیا، ایسے

میں اس کی نظر اندر کھڑی کار پر پڑی۔ کار کے  
ٹاٹر خون آؤد تھے۔ اس نے یہ دیکھ کر کار کے  
نمبر نوٹ کر لیے۔ کار زرد رنگ کی ٹیوٹا تھی،  
لیکن دوسرے دن انھیں اسی نمبر کی کار نیلے رنگ  
کی نظر آئی تو یہ بہت حیران ہوتے۔ بات تھی  
بھی حیرت کی۔ اس طرح یہ اس چکر میں اُجھے  
اور ایسے اُجھے کہ اُجھن بڑھتی ہی چلی گئی۔ فاروق  
نے وہ کاغذ جیب میں رکھ لیا تھا جس پر نمبر  
نوٹ کیے تھے۔ گھر آ کر انھوں نے کاغذ پر  
لکھے نمبر دیکھے۔ نمبر باطل وہی تھے جو نیلی کار  
کے یہ دیکھ کر آتے تھے۔ یہ فرداً اس کوٹھی تک  
پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات عامر غازی صاحب  
سے ہوئی۔ لیکن انھوں نے بتایا کہ وہ تو اس کوٹھی  
میں آج ہی آتے ہیں اور یہ کہ یہ کوٹھی ان کے  
لیے ان کے عملے نے کرتے پر حاصل کی ہے۔  
رات کا وقت تھا، اس لیے عملے سے ملاقات بچ  
پر رکھی گئی۔ پھر یہ جاوید بوجی صاحب سے  
ملے۔ نیلے رنگ کی کار میں انھوں نے جاوید  
بوجی سے ملاقات کی تھی۔ جب انھوں نے ان

سے پوچھا کہ ان کی کار دو تین دن پہلے کہاں  
تھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کے دوست رضا  
سیلم بیگ کی کار خراب ہو گئی تھی۔ اور انھیں  
گاڑی کی زیادہ ضرورت تھی، اس لیے انھوں نے  
اپنی گاڑی انھیں دے دی تھی۔ اور یہ کہ آج ہی  
انھوں نے کار بوٹائی ہے۔ اب ہم رضا سیلم بیگ  
سے ملتے۔ رضا سیلم نے بتایا کہ کار جاوید بوجی سے  
واقعی انھوں نے حاصل کی تھی اور اس وقت کار  
زرد رنگ کی ہی تھی۔ لیکن کار ان کے گیراج  
سے چلا گئی۔ اس کی روپورٹ انھوں نے  
درج کرایا تھی۔ جب کار واپس ملی تو اس کا  
رنگ بدل چکا تھا۔ لیکن بعد میں جب ہم نے  
کھوچ لگایا اور ان سے جمروح کے انداز میں  
سوالات کیے تو انھوں نے اس بات کا اقرار کیا  
کہ انھیں کار زرد رنگ میں ہی واپس ملی تھی،  
لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ کار کے ٹاٹر خون آؤد  
ہیں تو یہ گھرا گئے۔ حالانکہ انھیں گھرانے کی  
کوئی ضرورت نہیں تھی۔ انھوں نے روپورٹ درج  
کرایا تھی۔ جا کر پولیس کو ساری بات بتا دیتے،

لیکن یہ ڈرے کر پولیس انھی کو پریشان کرے گی، لہذا انھوں نے ٹارٹر اچھی طرح دھلوا لیے اور کاروں کے پلانٹ سے نیلا رنگ کرا لیا۔ تاکہ ان پر شک نہ کیا جا سکے۔ اب انھیں کیا معلوم تھا کہ فاروق زرد کار دیکھ چکا ہے۔ کار رنگ کرانے کے سلسلے میں ان کی مدد چودھری نے کی جو کاروں کا مستری ہے۔ اس طرح ان کا ذہان چودھری کی طرف گیا۔ انھوں نے سوچا کہ چودھری کو پتا تھا کہ رضا سیم بیگ کی کار خراب ہے اور وہ اپنے دوست کی کار حاصل کر چکا ہے، چودھری کو اس کے گرما کا اور گیراج کا بھی پتا تھا۔ لہذا ہم نے سوچا۔ شاید چودھری اس کام میں شریک ہو۔ چودھری ر بھی چیک کیا گیا۔ اس کے ملنے کے لیے جب محمود اور فاروق اس کے گھر پہنچے۔ اور اس سے باتیں کر رہے تھے تو چودھری کی بیچی باہر نکل آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پین تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن چودھری نے اسے اندر بیٹھ دیا۔ اور ان سے بات کرنے لگا۔ اچانک بیچی پھر نکل آئی۔ وہ

اس پین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ چودھری نے اسے پھر جھٹک دیا اور اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ اندر جانے لگی تو فاروق نے جان بوجھ کر اسے گرا دیا اور پین اڑا لیا، کیونکہ اس دوران شہر کی ایک سڑک سے خفیہ پولیس والوں کو ایک پچھلی ہوتی لاش مل چکی تھی۔ اس لاش کے بارے میں خیال تھا کہ اس کو کار کے ذریعے کچلا گیا۔ بار بار اس پر کار چلائی گئی ہے۔ تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے۔ لہذا ہمارے ذہن فوری طور پر اس کار کی طرف گئے تھے۔ جس کے ٹارٹر خون آسود دیکھے گئے تھے۔ اس کار کے سلسلے میں ہی چودھری کا نام سامنے آیا تھا۔ اور خاص بات یہ کہ لاش کی مٹھی میں سے ایک نب ملی تھی۔ پین کی یہ نب جو سونے کی تھی۔ اس نب نے ہمیں الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب جب محمود اور فاروق نے دیکھا کہ بیچی پین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہے، یہ چونک اُٹھے اور پین اڑا لیا۔ یہ گھر آئے تو فوراً ہی دو جملہ آور پین حاصل کرنے آگئے۔ گویا ان لوگوں کو فوراً ہی پتا

چل گی تھا کہ بغير نب والا پین ان کے ہاتھ لگ گی ہے۔ لیکن بہر حال فاروق اس پین کو دیکھ پھکا تھا کہ اس میں نب نہیں ہے۔ ظاہر یہی سوچا جا سکتا تھا کہ جونب لاش کے ہاتھ میں ملی تھی۔ وہ اس پین کی تھی۔ اور یہ پین تھا چودھری کا۔ گویا چودھری کا اس قتل سے گمرا تعلق تھا۔ یہ خیال آتے ہی ہم جب پھر چودھری کے ہاں گئے تو چودھری کو قتل کیا جا پھکا تھا۔ گویا مجرم نہیں چاہتا تھا کہ ہم اس کا سُراغ لگائیں۔

معاملہ اب اور گمرا ہو گیا تھا۔ ہماری انجمن اور بڑھ گئی تھی۔ صبح کے انجارات میں ہم اس لاوارث لاش کا اشتہار دیا۔ ریڈیو پر خبر نشر کی، لی وی پر بھی اعلان کیا گیا۔ اس طرح کچھ بوج گ اس لاش کو دیکھنے آئے۔ لیکن لاش اس قابل کمال تھی کہ کوئی پہچان سکتا۔ آخر ایک صاحب آئے۔ انھوں نے کپڑوں سے پہچان کر بتایا کہ وہ ان کے پڑوسی شریف بھائی ہیں جو چوبیں گھنٹے سے غائب ہیں۔ لیکن پڑوسی یہ نہ بتا سکے کہ شریف بھائی کمال کام کرتے ہیں یا کیا کرتے

ہیں، اس لیے کہ شریف بھائی نے انھیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس وہ ان کے محلے میں ایک مکان میں کراچے دار کی حیثیت سے رہتے تھے۔ اور اپنے بچے کو کام پر جاتے ہوئے ان کے گھر چھوڑ جاتے تھے۔ لہذا لاش کا پہچاننے والا مل جانے کے باوجود ہم کچھ نہ جان سکے۔ دوسرے دن، ہم عامر غازی کے دفتر گئے۔ کیونکہ وہ کوئی جس میں کار کھڑی دیکھی کئی تھی۔ اس دفتر کے عمدے نے کراچے پر حاصل کی تھی۔ اور اس روز دہائیں وہ لوگ صفائی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ عامر غازی کے دفتر کے چار طالزم ہمارے سامنے لا کھڑے کر دیے۔ انھوں نے بتایا۔ کوئی حاصل کرنے میں اور صفائی وغیرہ کرنے میں ان چاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہم نے ان سے سوالات کیے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کوئی میں صفائی کے لیے کس وقت گئے اور کس وقت وہاں سے ہوئے تو انھوں نے صبح سے رات تک کا وقت بتایا، اب ہم نے ان سے پوچھا کہ اس دوران کیا وہاں کوئی خون آؤد کار کھڑی تھی۔ انھوں نے کہا،

نہیں۔ وہاں کوئی کار نہیں تھی۔ ان کا یہ بیان  
بجیب ترین تھا۔ کیونکہ اس وقت فاروق نے  
کار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور اس پتے  
کو بھی۔ پتے کے بارے میں بھی انھوں نے لاعلمی  
کا اظہار کیا تھا۔ کہ وہاں کوئی پتہ نہیں تھا۔  
یعنی پتے کو بھی فاروق نے دیکھا تھا، لہذا، ہم  
نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ چاروں جھوٹ بول  
رہے ہیں۔ ہم اخیں مرکہ امتحان میں لے گئے،  
وہاں کے آلات دیکھ کر یہ خطر خر کا پتے لے گے۔ آخر  
انھوں نے ایک اور کہانی سنائی۔ وہ کہانی یہ تھی کہ  
یہ لوگ صفائی کر رہے تھے کہ اچانک اخیں بہت  
زور سے نیند آ گئی، یہ نیند کو کسی طرح نہ بھکا  
سکے اور سو گئے۔ رات ہونے سے کم سوتے رہے  
اور جب آنکھیں کھلیں تو جلدی جلدی صفائی کا کام  
ختم کر کے وہاں سے آ گئے۔ ان حالات میں  
تو واقعی یہ وہاں کوئی کار یا پتہ نہیں دیکھ سکتے  
تھے۔ ہم نے ان کے اس بیان پر خود کیا۔  
وہ نیند ہمیں بجیب سی نظر آئی۔ ہم نے ایک بار  
پھر کوئی کا جائزہ لیا۔ کوئی کی چحت کو دیکھا۔

چحت کے ذریعے کوئی کے پچھے ہتھ پر نظر ڈالی۔  
وہاں لمبی لمبی بھاڑیاں تھیں۔ ان بھاڑیوں کو دیکھنے  
کی ضرورت محسوس ہوتی۔ جب ہم نے ان  
بھاڑیوں کو چھاتا تو وہاں کھانے کے کچھ برتن سے  
ٹلے۔ اور ان برتوں کے علاوہ لاش کو بھی وہیں  
چکلا گیا تھا۔ لاش پر کار ان بھاڑیوں کے درمیان  
چلانی لگئی تھی۔ پچھے جانے کے نشانات بھی یہیں  
مل گئے۔ مطلب یہ کہ جب صفائی کرنے والوں  
پر نیند طاری کر دی گئی تو شریف بھائی کو وہاں  
لایا گیا۔ اس کا پتہ بھی ساتھ تھا۔ غالباً پھر  
سے نکال کر دونوں کو لایا گیا تھا۔ پھر شریف بھائی  
کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ پھر زرد کار کے ذریعے  
اسے پچلا گیا۔ اور واپس کوئی لایا گیا۔ کار کو گیراج  
میں کھڑا کیا گیا۔ لاش اس وقت کوئی میں  
تھی۔ اندھیرا ہونے کے انتظار میں۔ تاکہ اندھیرا  
ہونے پر لاش کو کسی سڑک کے کنارے پھینک دیا  
جائے؛ چنانچہ یہی وہ وقت تھا۔ جب فاروق نے  
کار وہاں دیکھی۔ اس کے بعد انھوں نے لاش  
وہاں سے سڑک پر پھینک دی۔ اور کار واپس

رضا سیم بیگ کی کوٹھی کے سامنے کھڑی کر کے فزار ہو گئے۔ انہوں نے کار کو اس حالت میں دیکھا۔ چودھری کو ساتھ ملا کر آپس میں مشورہ کیا اور غالباً چودھری کے مشورے پر کار کو دوسرا رنگ کرانے کا پروگرام بننا۔ صاف ظاہر ہے، چودھری قتل میں شریک تھا۔ قتل کے وقت کوٹھی میں موجود تھا۔ اور غالباً اسی دوران کسی طرح اس کا پین مقتول کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے پورا پین تو اپنے پاس نہ رکھا، یکونکہ وہ دیکھ لیا جاتا۔ لہذا نہایت خاموشی سے اس کی نب نکال لی اور اسے ہاتھ میں رکھ لیا۔ اس نے ایسا کر کے بہت عقل کا ثبوت دیا۔ اور عقل کا ثبوت دینے پر، یہیں ذرا بھی حیرت نہیں ہے۔ حیرت یکوں نہیں ہے۔ یہیں ابھی بتاؤں گا۔ نب نکال کر پین اس نے فرش پر ڈال دیا ہو گا۔ یہ کام اس نے نظر بچا کر کیا۔ چودھری کو احساس نہ ہو سکا۔ اس نے پین فرش پر دیکھ کر اٹھا لیا۔ اور جیب میں رکھ لیا۔ بعد میں وہ پین اس کی بیچی نے دیکھا تو اس میں نب نہیں تھی۔ یہی بات بتانے والے وہ

چودھری کے پاس آئی تھی، لیکن یہ بات چودھری کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی۔ لہذا اس نے بچی کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ اور اندر بیچج دیا۔ وہ پھر آگئی۔ پھر اندر بیچجنے لگا تو فاروق نے پین اٹا لیا۔ جو نہیں یہ دہان سے لوٹے۔ چودھری اندر گیا تو بچی کے پاس پینے نظر نہ آیا۔ وہ فوراً جان گیا کہ پین یہ لوگ لے گئے۔ لہذا اس نے فوراً اس سارے چکر کے انچارج کو اطلاع دی کہ یہ گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ اس نے فوراً ہمارے گھر دو حملہ اور بیچج دیے کہ پین لے کر آئیں۔ تاہم فاروق پہلے پین کو کھول کر دیکھ پہلا تھا، اس کی نب غائب تھی۔ لہذا پین جملہ آوروں کے لے جانے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ اب ہم نے کھانے کے برتن جو جھاڑیوں میں سے ملے تھے، میز پر رکھے اور ان چاروں کو باری باری بلایا۔ جو صفائی کرنے گئے تھے۔ جب، تم نے انھیں بتایا کہ ان برتنوں پر انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ لہذا ان چاروں کے نشانات ان سے ملا تے جائیں گے۔ تو ان میں

سے ایک گھر گیا۔ اس کا نام رکھو بیر ہے۔ اور یہ  
ہندو ہے۔ گویا اپنے کھانے میں بے ہوشی کی دوا  
رکھو بیر ملا کر لایا تھا۔ تاکہ اس کے تینوں ساتھی  
بے ہوش ہو جائیں، اس نے اپنے گھر کا کھانا نہیں  
کھایا۔ اس طرح یہ تینوں بے ہوش ہو گئے۔ اس  
نے فون رکیا۔ سرغزہ کے آدمی شریعت ٹھانی کو پکڑ  
کر لے آتے۔ اور پھر کارروائی مکمل کی گئی۔

یہ سب تو ہوا۔ اصل سوال یہ ہے کہ مقتول کون  
تھا۔ اس پر اس قدر ظلم کیوں توڑا گیا۔ اور قاتل  
کون ہے۔ کیا چاہتا تھا؟

یہ کہ کر انپکٹر جمیش خاموش ہو چکے۔ سب لوگ سکتے  
کہ عالم میں ان کی تقریر میں رہے تھے۔ اور شاید ہر ایک  
کے ذہن میں اب یہی سوال گونج رہا تھا۔  
اچانک انہوں نے پھر کہنا شروع کیا:

”جی۔ کیا مطلب۔ خفیہ ڈیوٹی پر؟“

”جی ہاں! وہ آدمی خفیہ پولیس کا تھا۔ اس کی  
ڈیوٹی یہ لکھائی گئی کہ وہ عوام میں بھل مل کر ایسے  
عناصر کا پتا چلاتے۔ جو ہمارے صلک میں بد امنی  
پھیلانے کے ذمے دار ہیں۔ قتل و غارت گری  
مجانے کے ذمے دار ہیں۔ بھوں کے دھماکے

کرانے کے ذمے دار ہیں۔ جو نہیں چاہتے کہ ہمارے  
ملک میں فرا بھی امن ہو۔ لہذا دس سال پہلے  
وہ پہلے تو بالکل غائب ہو گیا اور پھر ایک عام  
آدمی کی حیثیت سے جیسے کوئی ملازمت کی تلاش  
میں دوسرا شہر سے آیا ہو۔ یہاں رہنے لگا۔  
اس نے بہت سے لوگوں کو اپنی روڈیں بھیج کر پکڑا۔  
پروڈیں وصول کرنے والوں کو بھی معلوم نہیں ہوتا  
تھا کہ بھینے والا کون ہے۔ یہ تواب معلوم ہوا  
ہے۔ ادھر اس کا تراخ لگانے کی دشمن سر توڑ  
کوشش کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ اس کا لحوج  
لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور پھر اس غریب  
کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ  
اسے اس طرح ختم کیا جائے کہ کسی کو یہ بھی  
معلوم نہ ہو کہ مرا کون ہے۔ لہذا میں پہلے ہی  
 بتا چکا ہوں کہ اسے کس طرح ہلاک کیا گیا۔

اب سوال صرف یہ ہے کہ قتل کا منصوبہ کسی  
شخص کو سونپا گی تھا۔ یہ کام کس کے ذمے لگایا  
گیا تھا۔ اس سلسلے میں سب کے پہلے، ہمارا ذہن  
ریحان ڈا با کی طرف گی، یکونہ اس کیس میں ان کے

مجرم ہونے کا بہت امکان تھا۔ ریحان ڈا با  
جیسے بڑے لوگ ہی ملک میں بد امنی پھیلانے  
کے کام کر سکتے ہیں۔ اور شریف بھائی نے  
اس سے پہلے ان کی طرح کے ہی بڑے بڑے  
لوگوں کو پکڑا۔ سو ہم نے ریحان ڈا با صاحب  
کے مجرم ہونے کے بارے میں خور کرنا شروع کر  
دیا۔ ان کے بارے میں یہ بات ہمارے سامنے  
تھی کہ انہوں نے اس کار کو نیلا رنگ کروایا تھا۔  
یکوں ریحان ڈا با صاحب۔ میں غلط تو نہیں کر رہا۔ یہاں  
تک کہ کر ان پکڑ جشید خاموش ہو گئے۔

”عن۔ نہیں۔ میرا اس مجرم سے کوئی تعلق نہیں۔ اور  
ذ میں اس قسم کے کام کرتا ہوں۔“ اس نے بھرا کر کہا۔  
”جب ہم نے مزید خور کیا تو محسوس ہوا کہ واقعی یہ  
کام ان کا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا سے نمبر پر ہمارا ذہن  
رضا سیلم بیگ کی طرف گیا۔ رضا سیلم بیگ ہی وہ  
شخص ہیں جو جاوید یوگی کی کار مانگ کر لائے  
تھے۔ لہذا یہ نہیں بُری طرح مشکوک نظر آئے۔  
اور پھر پھودھری سے ان کے تعلقات تھے۔  
اس کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ اور پھودھری ہی

وہ آدمی تھا جس کے پین کد نب مقتول کے ہاتھ  
میں مل تھی، گویا پھودھری قتل کے وقت موجود  
تھا۔ یہ تمام باتیں صرف یہی نتیجہ خاہر کر رہی  
تھیں کہ مجرم صرف اور صرف رضا سیلم بیگ ہے۔  
اور ہم نے یہی نتیجہ نکالا۔

”کیا۔ نہیں !! رضا سیلم بیگ چلا�ا۔

”لیکن سب سے یہ حاصلہ یہ تھا کہ آخر کار کو  
عامر غازی کی کرانے کی کوششی میں کیوں دیکھا گیا ہے؟  
یہ بات ہماری بھی میں نہیں آ رہی تھی، لہذا  
ان کے دفتر کے ان چار آدمیوں سے پوچھ چکے کی  
گئی، جنہوں نے کوشی تلاش کی تھی اور بھومنی  
کرنے کے سلسلے میں اس روز وہاں موجود تھے۔

انہوں نے یہ حیران کن بیان دیا کہ وہاں ایسی کوئی  
کار نہیں تھی۔ اس طرح وہ الجھ گئے، سیونکہ کار  
تو فائدہ نہ دیکھ چکا تھا۔ یہ بات ہم نے  
کسی سے سنی نہیں تھی۔ لہذا ان سے خاص طور  
پر نفیش کی گئی۔ اور یہ بات سامنے آئی کہ  
اس روز وہ بہت دیر کے لیے گھری نیند میں چلے  
گئے تھے، لیکن وہ گھری نیند نہیں، بے کوشی تھی۔

ان میں سے ایک کے کھانے کے برتن ہمیں کوٹھی  
کے چیخنے بھائیوں سے مل گئے۔ ان پر بے ہوشی  
کی دوا ملے کھانے کے کچھ ذراثت موجود تھے۔  
لیبارٹری میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ کھانے میں  
دوا تھی۔ لہذا جب اس برتن کا مالک ہمارے  
سامنے آیا تو وہ عامر غازی کے دفتر کا ان چار  
میں سے ایک آدمی تھا۔ اور وہ تھا دیکھو بیہ۔  
اس نے جب نام دیکھو بیہ بتایا تو فوراً میں نے  
پوچھا۔ تم ہندو ہو؟ اس نے کہا، ہاں۔ یہاں  
سے نفیش نے ایک نیا رُخ بدلا۔ ہمارے مالک  
کے ایک خاص حصے میں آج کل ہندوؤں نے بہت  
اوہ حکم چھایا ہوا تھا۔ وہ بہت گڑ بڑ کر دہے ہیں،  
اور شریعت بھائی نے بھی اس حصے کے بڑے بڑے  
پکھ لوگوں کو گرفتار کر دایا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا۔ کیا دیکھو بیہ مرغناہ ہے؟  
ذہن فوراً عامر غازی کی طرف گیا۔ کہ عامر غازی  
اس کے آفسر ہیں۔ لہذا یہ کام اس نے ان  
کے اشارے پر کیا ہے۔ ان کے بارے میں  
چیلنج کرانا بڑی۔ لیکن ہمارے خاص آدمیوں

نے روپرٹ دی کہ یہ بالکل نیک آدمی ہیں۔ ایسے میں میرا خیال پھودھری متری کی طرف گیا۔ وہ تو کم از کم رگھو بیر کا ساتھی تھا، ہی۔ لہذا میں نے جب متری کے گھرانے کو چیک کرایا۔ تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ الگچہ وہ گھر ان مسلمانوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور آس پاس کے لوگ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ پورا گھرانا ہندو ہے۔

"کیا!! وہ ایک ساتھ بولے۔"

"اور رگھو بیر تو ہے ہی ہندو۔ جن دو حملہ اور دو نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تھا۔ وہ بھی پکڑتے جا چکے ہیں۔ رگھو بیر کے گھر پتناہ لیے ہوتے تھے۔ وہ بھی ہندو ثابت ہوتے۔"

"اُف ماں۔" ریحان ڈابا نے گھرا کر کہا۔

"لہذا ثابت یہ ہوا کہ جس طرح شریف بھائی عام آدمیوں میں لگھل بل کر زندگی بسر کر رہا تھا اور اپنا کام نہایت خوب صورتی سے انجام دے رہا تھا، اسی طرح رگھو بیر دشمن کا ایجنسٹ بھی عام

آدمی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اور اس نے پوری پوری کوشش کی کہ اس پر کسی کاشک تک نہ جاتے، شک اگر جائے تو عامر غاذی صاحب پر۔ یا پھر ریحان ڈابا پر۔ یا پھر رضا سیلم بیگ پر یا جاوید جوگی پر۔ لیکن اس کے بارے میں کوئی سوچے تک نہ۔ اور ہوتا بھی یہی۔ بلکہ اس لاش کا تعلق تک ہم ان سے کسی طرح ثابت نہ کر سکتے، اگر فاروق پہلے ہی وہ کار و مار نہ دیکھے چکا ہوتا، اصل میں تو یہ کارنامہ ہے فاروق کا۔"

"اُرے باپ رے۔ پھر تو گیا اس بار سہرا ہاتھ سے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"ایک منٹ! اس سے پہلے کہ تم سہرے کی بات کرو۔ پہلے ہم ذرا رگھو بیر کی بات سن لیں۔ وہ اب کیا کہتا ہے۔"

"اب اس کے پاس کہنے کے لیے وہ کیا گیا ہے۔" میں کوئی ایسا آدمی اور نظر آیا نہیں۔ جو اس پر ملکم چلاتا رہا ہو۔ — لہذا بھی سرغنا ہے۔ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔ "بالکل ٹھیک۔ میں بھی یہی کہتا ہوں۔ مسٹر رگھو بیر۔ سب آپ کے الفاظ سننے کے لیے بے چین ہیں۔"

اس نے سر اٹھایا۔ سب پر ایک نظر ڈالی۔ اور فخر کے انداز میں بولا: ”بس طرح آپ لوگ شریف بھائی کے کارناموں پر فخر کر رہے ہیں۔ اسی طرح میرے ملک کے وہ ذمے دار لوگ جھوٹوں نے مجھے یہاں بطور ایجنت بھیجا تھا۔ فخر محسوس کر رہے ہوں گے، یکونکہ میں نے بھی یہاں وہ کر خوب، ہی جڑیں کاٹی ہیں اس ملک کی۔ اور ابھی نہ جانے اور کتنی جڑیں کاٹتا۔ اگر مجھ سے پچوک نہ ہو جاتی۔ اور پچوک ہو گئی کھانے کے برتن کو بھی کے پیچھے پیسکنے کی۔“

”ہاں! مجرموں سے ایسی غلطیاں نہ ہوں تو وہ پکڑیں کب جائیں۔ اور فاروق سے بھی بڑھ کر یہ کارنامہ ہے شریف بھائی کا۔ وہ اگر چودھری کے پیمن کی نب نہ نکال لیتے تو بھی ہم آسانی سے مجرم تک نہ پہنچ پاتے:“ ”لو بھئی۔ سہرا تو جا رہا ہے۔ شریف بھائی کی طرف: محمود مسکرا یا۔“

”پچ بات تو یہی ہے۔ حق اُسی غریب کا ہے۔ لہذا میں اس کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”اور دوسری بات شریف بھائی کے پیچے کی ہے۔“ شریف سے بڑھ کر پیچے نے کردار ادا کیا کہ وہ کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ فاروق اگر اس پیچے کو دیکھ کر نہ رکتا تو کار کو کس طرح دیکھتا۔ اس پیچے کا بھی انتظام کرنا ہے۔“ ”حد ہو گئی۔ سہرا تو کہیں ٹک ہی نہیں رہا۔“ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ مسکرانے لگے۔





# اشتیاق احمد

کے سنتی خیز، بہنچاہ آراہ زماں اوجانوں کی  
سے بھرپور ناول

## اس ماہ کے ناول

۱۸ روپے	مُقتول کون	۲۸۲
۰ ۱۸	بیکھر جھر جیرے	۲۸۳
۰ ۱۷	اندھا اختیار	۵
۰ ۱۶	سائے کی ہوت	۹
۰ ۱۵	خوفناک منظور	۳
۰ ۱۴	شوکی سیدہ	۲
۰ ۱۳	ادسان کا منظور	۸۱

## آئندہ ماہ کے ناول

۰ ۱۹	جیلان کی دایی تیز پاٹیوں کا جنگل خاصہ	۱۵ روپے
۰ ۱۸	کالی آنکھ	۰
۰ ۱۷	بھیانک سارش	۸
۰ ۱۶	نہری جان	۲
۰ ۱۵	شوبی سک	۳
۰ ۱۴	پرکشہ	۶
۰ ۱۳	مُحوم کی بکشی	۸۱

## اشتیاق پہلوی کیشنز

۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — ساندھ کلاں، لاہور۔ فون: ۳۲۱۵۳۷  
برائی آفیس بازار لوہاڑاں — بھنگ صد — فون: ۳۲۹۵